بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ماہنامہ الفرقان ربوہ پاکستان

جلد ۹ ——— اکتوبر ۱۹۵۹ء ——— شمارہ ۱۰

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کا ارشاد

" رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے" ؛

سالانہ قیمت

پاکستان و بھارت .... پانچ روپے

دیگر ممالک .... دس شلنگ

ایڈیٹر :- ابو العطاء جالندھری ربوہ پاکستان

(رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو شائع ہوتا ہے)

ایڈیٹر صاحب رسالہ "TIME" امریکہ کا اظہارِ معذرت

الفرقان کی گزشتہ اشاعت میں ہم نے "ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا تھا جس میں امریکی رسالہ "ٹائم" کی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا تھا۔

مکرم چوہدری احمد مختار صاحب کراچی نے ایک خط براہِ راست رسالہ کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا جس پر انہوں نے ذیل کا جواب ارسال کیا ہے اور اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کیا ہے:۔

Dear Mr. Mukhtar:

Please accept our sincere apologies for the delay in answering your letter about our July 6 story on the Hadj of Ahmed Murad. As you point out, in the feast of EL IDHa Moslems celebrate Abraham's near sacrifice of Ishmael. It is the Christians who believe that Abraham nearly killd Isaac.

We are extremely sorry about this error, which we assure you was entirely inadvertent.

Cordially yours,
Maria Luisa Cisneros
for the Editors

ترجمہ:۔ مکرم مسٹر مختار صاحب! براہِ مہربانی آپ اس خط کے جواب میں تاخیر کے لئے ہماری معذرت قبول فرماویں جو آپ نے ہمارے رسالہ کے مضمون "حج احمد مراد" مطبوعہ ۶ جولائی کے بارے میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ صحیح ہے جیسا کہ آپ نے واضح فرمایا ہے کہ مسلمان عید الاضحیٰ کے موقعہ پر حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یاد مناتے ہیں۔ یہ مسیحی خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو ذبح کیا تھا۔ ہم اس غلطی کے لئے دلی افسوس پیش کرتے ہیں۔ آپ یقین فرمائیں کہ یہ غلطی محض اتفاقاً واقع ہو گئی ہے۔

خاکسار۔ ماریا لوئیسا سسنی روز منجانب ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد
نمبر
الفرقان
اکتوبر ۱۹۵۹ء

مقالات

۱- ایڈیٹر صاحب رسالہ Time امریکہ کا اظہار معذرت — ٹائیٹل

۲- طوفانِ نوحؑ — ص۳

۳- مولانا عبدالمجید سالک کا افسوسناک انتقال — ص۴

۴- البیان یعنی قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ۔ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ — ص۵

۵- پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں (الادب المفرد سے انتخاب) — ص۹

۶- دعا کی اہمیت اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی تاثیرات (حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیف برکات الدعا کا ایک اقتباس) — ص۱۱

۷- "حرفِ محرمانہ" پر تبصرہ نمبر۳ — ص۱۳

۸- روحانیت اور رسالہ طلوعِ اسلام (مولوی عبدالکریم صاحب پشاور) — ص۱۷

۹- چاند پر روسی راکٹ (نظم) (جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل) — ص۲۵

۱۰- عربی زبان کے بعض امتیازی خصائص (جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ شام و لبنان) — ص۲۶

۱۱- ایک روایت (از حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے ناظر تعلیم) — ص۳۶

۱۲- ترجمان القرآن کی غلط ترجمانی (مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فاضل منگلا) — ص۳۷

سیرۃ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

رسالہ الفرقان ہر سال ایک خاص نمبر شائع کرتا ہے امسال آخر دسمبر ۱۹۵۹ء میں رسالہ کا "خیر البشر نمبر" شائع ہوگا۔ انشاء اللہ۔ اس نمبر میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپؐ کے اخلاق اور آپؐ کی تعلیم پر جامع اور ٹھوس مقالات درج ہوں گے۔ رسالہ کا حجم یکصد صفحات ہوگا۔ عشاقِ خیر البشر صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست ہے کہ حضورؐ کی زندگی کے کسی پہلو پر عمدہ سا مضمون یا نظم و نعت ارسال فرما کر ممنون فرما دیں (ایڈیٹر)

تردید بہائیت پر کتابیں

اہلِ بہاء کی مخفی شریعت اور اس پر تبصرہ نیز بہائیت کی تاریخ و عقائد پر سیر حاصل بحث کے لئے ہماری چار صد صفحات کی دو نو کتابیں طلب فرمائیں۔ قیمت علاوہ محصولڈاک چار روپے صرف۔ (مینجر الفرقان ربوہ)

سُرخ نشان

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہے جلد توجہ فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ وی پی ہوگا (مینجر)

طوفانِ نوحؑ

مندرجہ ذیل چند اقتباس ملاحظہ فرمائیے:۔

(الف) اخبار الاعتصام لاہور زیر عنوان "ہولناک اعداد و شمار" لکھتا ہے:۔

"ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک یعنی گزشتہ بارہ برس میں ـــ جو سیلاب آئے، ان میں مغربی پاکستان میں چار ہزار سات سو اکہتر افراد ہلاک ہوئے اور ایک ارب دس کروڑ روپے کا مالی نقصان ہوا۔

خبر میں تفصیلات دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ چار سو سات دیہات تباہ ہوئے۔ ایک لاکھ چھ ہزار آٹھ سو سات مویشی ہلاک ہوئے۔ ۲۷ لاکھ ۶۵ ہزار ۲ سو ۶۱ مکان متاثر ہوئے جن میں سے ۷ لاکھ ۱۲ ہزار ۳ سو ۹۳ بالکل تباہ ہو گئے۔ اور ان مکانوں میں رہنے والے لاکھوں افراد بے خانماں ہو گئے۔ ۷۴ لاکھ ۱۳ ہزار ۳ سو ۴۹ ایکڑ قابل کاشت رقبہ تباہ و برباد ہوا۔

یہ اعداد و شمار نہایت ہولناک ہیں اس ضمن میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ تاریخ پاکستان کے گزشتہ بارہ برس میں آٹھ برس سیلاب آیا ـــ چار برس خیریت سے گزرے ہیں۔ بالفاظ دیگر صرف آٹھ برس میں اتنا عظیم نقصان برداشت کرنا پڑا۔"

(۴ ستمبر ۵۹ء صہ ۳)

(ب) مدیر الاعتصام اپنے نوٹ "سیلاب یا اللہ کا عذاب" میں لکھتے ہیں:۔

"یہ سیلاب کی مصیبت بھی اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ اس میں کمی بیشی اسی کے حکم اور اسی کی مرضی اور منشاء سے ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں دریاؤں کا پانی کناروں سے اچھل پڑا ہے، ندی نالوں میں طغیانی آگئی ہے اور نہروں کے چوڑے اور مضبوط بند ٹوٹ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے دیہات کے دیہات تباہ ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی مضبوط عمارتیں متزلزل ہو گئی ہیں۔ ریل کی پٹریاں پانی کے بے پناہ زور کے آگے شکست کھا گئی ہیں اور سڑکوں میں جگہ جگہ بڑے بڑے سوراخ پڑ گئے ہیں۔

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کے حکم و اشارہ سے ہو رہا ہے۔ اس کی قدرت کاملہ اور بے پروائی کے ایمان افروز کرشمے ملاحظہ ہوں کہ کہیں تو

زمین کے سینہ پر دُور دُور تک پانی کی ایک طویل و عریض چادر بچھی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور کہیں پانی کا نشان تک نہیں۔ اور زمین پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس گئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے سیلاب کی صورت میں یہ **اللہ کا عذاب ہے۔ جس نے پاکستان اور ہندوستان** دونوں ملکوں کی بہت بڑی آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اور جان و مال کا عظیم نقصان کر ڈالا ہے۔"

(۳۱ جولائی ۱۹۵۹ء صفحہ ۳)

(ج) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کی دو خبریں ہیں:۔

۱۔ جاپان میں پونے چار ہزار افراد ہلاک

ٹوکیو ۲۹ ستمبر۔ اب اس امر کی تصدیق ہو گئی ہے کہ وسطی جاپان کے سیلاب میں تین ہزار سات سو اٹھاسی افراد ہلاک ہوئے۔ دو ہزار اکیس لاپتہ ہیں اور آٹھ ہزار چار سو اٹھہتر زخمی ہوئے۔ اس سے پہلے جاپان کی تاریخ میں کبھی اتنے لوگ سیلاب میں ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ ۱۹۳۴ء کے سیلاب (جو اس سے پہلے سب سے خوفناک سیلاب خیال کیا جاتا تھا) میں دو ہزار سات سو اشخاص ہلاک ہوئے تھے۔"

(۳۰ ستمبر ۱۹۵۹ء)

۲۔ جاپان میں ۳۶۶۶ ہلاک ہوئے

ٹوکیو ۲ اکتوبر۔ چند روز پیشتر وسطی جاپان میں جو طوفان آیا تھا اس کی وجہ سے صرف ایک جزیرے میں بیس ہزار اشخاص سیلاب میں گھر گئے تھے۔ اب انہیں ہوائی جہازوں کے ذریعے نجات دلائی جا رہی ہے۔ وسطی جاپان کا شہر نگویا سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ اطلاع ملی ہے وہاں ابھی تک بے شمار لوگ مکانوں کی چھتوں پر پناہ لے رہے ہیں۔ پولیس ہیڈ کوارٹر کے اعلان کے مطابق مرنے والوں کی تعداد تین ہزار چھ سو چھیاسٹھ تک پہنچ چکی ہے۔ بارہ ہزار اشخاص زخمی ہوئے ہیں اور سترہ سو کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔"

(۳ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

(د) اخبار "الاعتصام" نے اپنی اشاعت ۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں "جاپان اور کوریا میں قیامت خیز طوفان" کے عنوان سے ذیل کی خبر شائع کی ہے:۔

"ٹوکیو — ۲۷ ستمبر۔ گذشتہ دو روز سے جاپان میں ایک قیامت خیز طوفان آیا ہوا ہے۔ جس سے کوریا اور جاپان کے ہزاروں افراد ہلاک و لاپتہ ہو گئے ہیں۔ اور لاکھوں کی تعداد میں مکانوں کو نقصان پہنچا ہے۔ پاکستان

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

مولانا عبدالمجید سالک کا افسوسناک انتقال

ع "چمن میں آئیگی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہونگے" (سالک)

مولانا عبدالمجید صاحب سالک مرحوم تین سال بیشتر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ایک مشاعرہ میں صدر تھے جب آپنے اپنی ذیل کی پُر درد، برجستہ اور موثر نظم رقّت کے ساتھ مجلس میں پڑھ کر سنائی تو مجمع کی عجیب کیفیت تھی۔ مولانا سالک مرحوم احمدی والدین کے ہونہار فرزند اور احمدی بھائیوں کے ہمدرد بھائی تھے۔ احمدیت کی چاشنی سے انہوں نے کافی حصہ پایا اور نہایت قابلِ شکریہ حد تک جماعت کی امداد و اعانت بھی کرتے رہے گو وہ باقاعدہ سلسلہ میں داخل نہ تھے۔ مرنجاں مرنج بزرگ تھے۔ بہت بڑے ادیب تھے۔ ان کا انتقال ایک بہت بڑا قومی اور ملکی صدمہ ہے۔ اللہ تعالےٰ انکو جزاء خیر دے اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل بخشے آمین۔ سالک مرحوم نے یہ نظم اپنی رحلت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی تھی۔ ہم اسے ان کی وفات کے ذکر یہ ہی شائع کر رہے ہیں ——— (ایڈیٹر)

چراغِ زندگی ہوگا فروزاں، ہم نہیں ہوں گے　　چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں، ہم نہیں ہوں گے
جوانو! اب تمہارے ہاتھ میں تقدیرِ عالم ہے　　تمہیں ہوگے فروغِ بزمِ امکاں، ہم نہیں ہوں گے
جئیں گے جو وہ دیکھیں گے بہاریں زلفِ جاناں کی　　سنوارے جائیں گے گیسوئے دوراں، ہم نہیں ہوں گے
ہمارے ڈوبنے کے بعد اُبھریں گے نئے تارے　　جبینِ دہر پہ چھٹکے گی افشاں، ہم نہیں ہوں گے
نہ تھا اپنی ہی قسمت میں طلوعِ مہر کا جلوہ　　سحر ہو جائے گی شامِ غریباں، ہم نہیں ہوں گے
اگر ماضی منوّر تھا کبھی تو ہم نہ تھے حاضر　　جو مستقبل کبھی ہوگا درخشاں، ہم نہیں ہوں گے
ہمارے دور میں ڈالیں خرد نے الجھنیں لاکھوں　　جنوں کی مشکلیں جب ہونگی آساں، ہم نہیں ہوں گے
کہیں ہم کو دکھا دو اک کرن ہی ٹمٹماتی سی!　　کہ جس دن جگمگائے گا شبستاں، ہم نہیں ہوں گے

ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا
یہی سُرخی بنے گی زیبِ عنواں، ہم نہیں ہوں گے

سورۃ البقرۃ ع ۳۵

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتٰهُ

کیا تونے اس شخص (نمرود) کے حال پر غور نہیں کیا جس نے حضرت ابراہیمؑ سے اسکے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا کیونکہ خدا نے

اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي

اس شخص کو حکومت دے رکھی تھی ؟ - واقعہ یوں ہوا کہ ابراہیمؑ نے اعلان کیا کہ میرا رب ہی ہے جو زندگی بخشتا ہے

وَيُمِيتُ ۙ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرٰهِيمُ

اور مارتا ہے - اس پر اس شخص نے کہا کہ میں (بطور بادشاہ) زندہ کرتا اور مارتا ہوں - حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ

فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا

اللہ ہی سورج کو مشرق سے لاتا ہے آپ اسے

تفسیر - اس رکوع میں بیان شدہ تین واقعات سابقہ آیت اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور کے ثبوت میں پیش ہوئے ہیں - اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے اور اپنی دوستی کا ثبوت یوں دیتا ہے کہ ان کی پیش آمدہ مشکلات میں ان کی خاص نصرت فرماتا ہے - اس بیان کی تائید ان تین واقعات سے کی گئی ہے -

پہلا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو انہیں اپنے وقت کے بادشاہ سے دوران گفتگو پیش آیا - بادشاہ اور اس کی قوم ستارہ پرست تھی اور سورج کو بڑا دیوتا یقین کرتی تھی - بادشاہ اپنی بادشاہت کے باعث بہت مغرور تھا - حضرت ابراہیمؑ کو جب توحید پرستی کے جرم میں اسکے دربار میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اس کو اپنا رب اور معبود مانتا ہوں جو

مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

مغرب سے لاکر دکھائیں اس پر وہ کافر مبہوت ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ

کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا۔ نیز کیا تجھے اس (نیک شخص کا حال معلوم نہیں جس کا گزر ایک عظیم الشان بستی پر ہوا جبکہ

هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ

وہ ویران چھتوں کے بل گری ہوئی تھی۔ اس نے (درد بھرے دل سے) کہا کہ اس شہر کے ویران ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۗ

اسے کب اور کیسے آباد کریگا؟ اس شخص پر اللہ تعالیٰ نے سو سال نیند میں (یعنی خواب میں) گزارے پھر اسے بیدار کر کے

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۗ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۗ

دریافت کیا کہ بتاؤ کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟ اس نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔

احیاء و اماتت کا مالک ہے۔ نمرود کو جھٹ سوجھی کہ بوجہ بادشاہ ہونے کے میں بہت سے لوگوں کو قتل کروا سکتا ہوں اور جن پر موت کا فتویٰ ماتحت عدالت سے صادر ہوچکا ہو انہیں چھڑا سکتا ہوں اسلئے احیاء و اماتت کا میں مالک ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اسی دلیل احیاء و اماتت کی مالکیت کو اور زیادہ معیّن اور واضح صورت میں یوں پیش فرمایا کہ نظام شمسی اس کائنات میں حیات و موت پر اثر انداز ہے۔ خدا وہ ہے جو اس سورج پر تصرّف رکھتا ہے اور اسے مقررہ نظام کے ماتحت مشرق سے لاتا ہے۔ اب اگر یہ سچ ہے کہ تجھے قوّتِ احیاء و اماتت حاصل ہے تو اس کا ثبوت آپ یوں دے سکتے ہیں کہ سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے یعنی موجودہ نظام کے برعکس طلوع کرا کر دکھائیں۔ اس پر بادشاہ حیران و ششدر رہ گیا اور اس سے کوئی بات نہ بن سکی۔

بظاہر یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ نے پہلے احیاء و اماتت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا تو اب اس نے جھوٹے طور پر کیوں نہ کہدیا کہ سورج کو مشرق سے تو میں ہی لاتا ہوں؟ مگر بادشاہ کی حیرت اور خاموشی میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہوئے ڈرتا تھا کہ اوّل تو قوم سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانتی ہے اگر میں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ سورج میرے ماتحت ہے اور نظام شمسی کو میں چلا رہا ہوں تو سارے لوگ بدک جائینگے۔ نیز مشرک بہت وہم پرست ہوتا ہے وہ فرضی دیوتاؤں سے بہت ڈرتا ہے، دوسرے اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم سو سال ٹھہرے ہو ۔ ہاں اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ج وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ قف

ملاحظہ کرو اُن پر سال نہیں گزرے اور اُنمیں کوئی تغیر نہیں آیا۔ اور اپنے گدھے پر بھی نظر کرو۔ یہ سب کچھ

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ

اسلئے ہوا کہ ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں گے ۔ اور تو ہڈیوں پر غور کر کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے اور

نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ

اور جوڑتے ہیں اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں ۔ جب یہ بات اس شخص پر واضح ہو گئی تو

قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَ

اس نے کہا کہ میں خوب سمجھ گیا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ نیز یاد کرو

بڑے بوڑھے لوگ پکار اٹھیں گے کہ تیری پیدائش سے پہلے کون سورج طلوع کرتا تھا۔ بہرحال بادشاہ مبہوت رہ گیا اور اس طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پیش آمدہ مشکل اعتراض کا لاجواب حل سمجھا دیا۔

دوسرا واقعہ ایک ویران بستی کا ہے۔ یہ بستی یروشلم ہے جسے بخت نصر بادشاہ نے اُجاڑ دیا تھا اور اسرائیلیوں کو دُنیا بھر کے ممالک میں تتر بتر کر دیا تھا۔ اس مقدس شہر کی اس ابتر حالت کو دیکھ کر اس مقدس بزرگ کے دل میں ہوک اُٹھی اور بے ساختہ اسکی زبان پر آگیا اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بعد موتها۔ لفظ اَنّٰی کے دو معنے ہوتے ہیں (۱) مَتٰی۔ کب (۲) کَیْفَ۔ کیسے۔ گویا اس بزرگ کے دل میں (جنہیں بعض حزقیل اور بعض عزرا نبی کہتے ہیں) دو سوال پیدا ہوئے۔ اوّل یہ کہ بیت المقدس کب دوبارہ آباد ہوگا۔ دوم یہ کہ بظاہر سب سامان مخالف ہیں اس کو اب کس طرح دوبارہ آباد کیا جا سکیگا؟ اس اشکال کے ازالہ اور ان سوالوں کے جواب کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر نیند طاری کی (عربی زبان میں لفظ موت نیند پر بھی بولا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور) اور اسے شہر کی آبادی اور رونق جو سو سال میں ہونے والی تھی دکھائی۔ پھر اسے جگا کر دریافت فرمایا کہ بتاؤ کب کا جواب معلوم ہوا؟ اس نے ظاہری قیام کے عرصہ کے مطابق دن یا دن کا حصہ ٹھہرنے کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بل

إِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط

جب ابراہیمؑ نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے خدا تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے

قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ

فرمایا کہ کیا تجھے اس پر ایمان نہیں ؟ عرض کیا کہ ایمان تو ضرور ہے لیکن یہ سوال اسلئے ہے کہ میرا دل

قَلْبِيْ ط قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ

مطمئن ہو جائے ۔ فرمایا کہ چار پرندے لو اور انہیں اپنے ساتھ پوری طرح

إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

مانوس کرو پھر انہیں علیحدہ علیحدہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو اور

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ط وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ

پھر انہیں آواز دو وہ تمہارے پاس تیز رفتاری سے آجائیں گے اور تم یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۳۵ ع ۳ ۲

غالب اور حکمت والا ہے ۔

اضرابیہ لاکر ایک رنگ میں اسکے بیان کی تصدیق کرکے اصل بات بل لبثت مائۃ عامٍ کی طرف توجہ دلائی — گویا بتادیا کہ سو سال میں یہ شہر پُر رونق طور پر آباد ہو جائیگا ۔ اب رہ گیا کہ مخالف حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے کس طرح آباد کریگا ' اسکے جواب کیلئے اس شخص کو کھانا ، پینا ' گدھا اور انسانی ہڈیوں کی ساخت اور ان پر گوشت چڑھائے جانے پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ۔ یہی تین چیزیں دیکھ کر اسے یہ بھی یقین آنا چاہیئے کہ سو سال والا ما جرا کشفی یا خواب ہے جو ایک رنگ کی پیشگوئی ہے نیز ان سے قدرت الٰہی کا بھی ثبوت ملتا ہے ۔ انسانی تخلیق تو مجسم قدرت کا نشان ہے جو خدا انسانوں کو پیدا کر سکتا ہے اسکے سامنے تتر بتر بنو اسرائیل کو جمع کرکے شہر کو آباد کرنا کیا مشکل ہے ۔

حزقیل نبی کی کتاب باب ۳۷ میں ایک مکاشفہ کا ذکر ہے ۔ اس میں خداوند نے فرمایا :- "دیکھ میں اہل اسرائیل کو غیر قوموں کے درمیان سے جہاں جہاں وہ گئے ہوں گا اور ہر طرف سے انہیں فراہم کر دونگا اور انہیں ان کی مملکت میں لاؤں گا ۔" (باقی صفحہ پر)

احادیث نبویہ میں اسلامی زندگی کیلئے ہدایات

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

(۲)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "الادب المفرد" کے انتخاب کی قسط نمبر ۲ معہ ترجمہ و تشریح درج ذیل ہے (ایڈیٹر)

(۷) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
بِتِسْعٍ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا
وَاِنْ قُطِّعْتَ اَوْ حُرِّقْتَ وَلَا
تَتْرُكَنَّ الصَّلٰوۃَ الْمَكْتُوْبَۃَ
مُتَعَمِّدًا وَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا
بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّۃُ وَلَا تَشْرَبَنَّ
الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ
وَاَطِعْ وَالِدَیْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ
اَنْ تَخْرُجَ مِنْ دُنْیَاكَ فَاخْرُجْ
لَهُمَا وَلَا تُنَازِعَنَّ وُلَاۃَ الْاَمْرِ
وَاِنْ رَاَیْتَ اَنَّكَ اَنْتَ (مَظْلُوْمٌ)
وَلَا تَفْرِرْ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ
هَلَكْتَ وَفَرَّ اَصْحَابُكَ وَاَنْفِقْ
مِنْ طَوْلِكَ عَلٰی اَهْلِكَ وَلَا
تَرْفَعْ عَصَاكَ عَنْ اَهْلِكَ
وَاَخِفْهُمْ فِی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نو باتوں کی تاکیدی وصیّت فرمائی تھی حضورؐ نے فرمایا کہ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت گردانو خواہ اس وجہ سے تمہارے پرخچے اُڑ جائیں یا تمہیں آگ سے جلا دیا جائے (۲) فرض نماز کو جان بوجھ کر کبھی نہ چھوڑو۔ کیونکہ جو شخص فرض نماز کو ترک کر دیتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اُٹھ جاتی ہے۔ (۳) شراب کبھی مت پیو کیونکہ یہ بدی اور شر کی چابی ہے (۴) اپنے ماں باپ کی ہر حالت میں اطاعت کرو۔ اگر وہ یہ حکم بھی دیں کہ تم ساری دُنیا ان کیلئے چھوڑ دو تو بخوشی سارا مال و منال پیش کر کے اس سے الگ ہو جاؤ (۵) حکمرانوں سے جھگڑا اور نزاع مت کرو خواہ تم یہی سمجھتے ہو کہ تم مظلوم ہو (۶) جہاد کے وقت مقابلہ سے فرار اختیار نہ کرو خواہ اس میں ہلاکت نظر آئے اور تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے ساتھی فرار اختیار کر چکے ہیں (۷) اپنی پوری وسعت اور فراخی کے مطابق اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا کرو (۸) اپنے اہل و عیال کی نگرانی اور خبر گیری سے کبھی

غافل نہ ہو اور اس ذمہ داری کی ادائیگی میں سہل انگاری مت برتو۔ (۹) خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کے بارے میں اپنے بچوں اور بیوی کو خدا کا خوف ہمیشہ یاد دلاتے رہو۔

تشریح:- رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ مناسب موقعہ نصائح اور ہدایات فرماتے رہتے تھے حضرت ابو الدرداءؓ کو جو وصایا آپؐ نے فرمائی ہیں وہ دینی اور اخلاقی تربیت کے **زریں اصول** ہیں۔ شرک سے کلی اجتناب اور نمازوں کی باقاعدہ پابندی تعلق باللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ شراب نوشی اخلاق کے لئے تباہ کن ہے انسان کی صحت بھی برباد کر دیتی ہے۔ شراب صحیح معنوں میں "مفتاح کل شر" (ہر برائی کی چابی) ہے۔ مغربی ممالک بڑے تجربہ کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ ماں باپ کی اطاعت اور حکمرانوں سے تعاون دین کا حصہ ہونے کے علاوہ معاشرہ کے قیام اور امن کے استحکام کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیرنا بزدلی اور ذلت کی زندگی کو اختیار کرنا ہے۔ جو اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اپنے اہل وعیال کی ضروریات کی کفالت اور بہترین رنگ میں ان کی خبرگیری اور خدا ترسی کی بنیاد پر ان کی تربیت خاندان کی بنیادی چٹان ہے۔ اور خاندانوں کے مجموعہ سے ہی قومیں اور جماعتیں بنتی ہیں۔ پس یہ وصایا انسانی زندگی کی تعمیر کے لئے کونے کا پتھر ہیں۔

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ الْجِهَادَ فَقَالَ أَحَيٌّ وَالِدَاكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ۔

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور وہ جہاد میں شامل ہونا چاہتا تھا حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ ان کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرلے۔

تشریح:- اسلام میں **عمل صالح** وہ ہے جو موقعہ اور وقت کے مناسب ہو سیفی جہاد میں جان کی قربانی بھی بڑا مجاہدہ ہے لیکن بوڑھے ماں باپ کی خدمت بھی اسلامی نقطہ نگاہ سے جہاد سے کم نہیں ہے۔

(۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَغِمَ أَنْفُهُ رَغِمَ أَنْفُهُ رَغِمَ أَنْفُهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرُ أَوْ أَحَدَهُمَا فَدَخَلَ النَّارَ۔

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مجلس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ فرمایا کہ اس کا ناک خاک آلود ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کا؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کا جس کی زندگی میں اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ گیا اور وہ ان کی خدمت نہ کرنے کے باعث جہنم کا مستحق قرار پایا +

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات

دُعا کی ماہیت

اور

سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کی تاثیرات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب " برکات الدّعاء " میں تحریر فرماتے ہیں :-

" دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اسکے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنے پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دُعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت ایک شخص کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی رُوح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوّتِ جذب جو اُسکے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلّ شانہٗ اُس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُس دُعا کا اثر اُن تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اُس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے تو بعد استجابت دُعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اُس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بددُعا ہے تو قادرِ مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے

اسی وجہ سے یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دُعا میں ایک قوّتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنے باذنہ تعالےٰ وہ دُعا عالمِ سفلی اور علوی میں تصرّف کرتی ہے۔ اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤیّد مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دُعا ہی ہے۔ اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں۔ یا جو کچھ کہ اولیائے کرام اِن دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی مُلک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے۔ اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَآلِهٖ بِعَدَدِ ھَمِّهٖ وَغَمِّهٖ وَحُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ۔" (صلا)

"حرفِ محرمانہ" پر تبصرہ

(۳)

خود ساختہ اور سراسر غلط قاعدہ

جناب برق صاحب خاتم النبیین کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"نحو کے رُو سے خاتم مضاف ہے اور الانبیاء مضاف الیہ ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ مضاف الیہ مضاف کا خالق موجد یا صانع ہو۔ مثلاً ارض اللہ میں خدا (مضاف الیہ) زمین کا خالق ہے۔ عبد اللہ میں اللہ (مضاف الیہ) عبد کا خالق ہے۔ خاتم زر میں زر (مضاف الیہ) سے خاتم تیار ہوئی ہے **لیکن دُنیا کی کسی بھی زبان میں ایک بھی ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا خالق و موجد ہو۔** اسلئے خاتم الانبیاء سے ایسی مُہر مراد لینا جو انبیاء تیار کرتی ہو۔ نہ صرف عربی لغات کے رو سے غلط بلکہ ہر **زبان کے قواعد کے خلاف** ہے۔" (ص۲۲)

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ جناب برق صاحب نے اپنے اِس دعویٰ میں سطحیت کا انتہائی مظاہرہ کیا ہے انہوں نے یہ تو درست طور پر پہچان لیا کہ خاتم مضاف ہے اور النبیین مضاف الیہ ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی صحیح لکھا ہے کہ کبھی مضاف الیہ مضاف کا خالق، موجد یا صانع ہوتا ہے۔ گویا کسی چیز کا خالق و صانع کبھی اس کا مضاف الیہ بن جاتا ہے۔ یہاں تک تو بات ایک رنگ میں درست ہے۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ برق صاحب نے ہوائے نفس کی اتباع میں یہ ذیل کا محض ایجاد بندہ اور سراسر غلط قاعدہ وضع کر لیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"دنیا کی کسی بھی زبان میں ایک بھی ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا خالق و موجد ہو۔"

گویا جناب برق ساری زبانوں کے ماہر اتم ہیں اور ان کا قول اِس بارے میں آخری سند ہے۔ کتنا بڑا دعویٰ ہے جو برق صاحب نے کیا ہے اور کتنا بے بنیاد ادعا ہے جس کے مرتکب برق صاحب ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنے حسب منشاء کر سکیں۔ اس کے لئے انہیں غلط سلط قواعد مرتب کرنے سے بھی ذرا پرہیز نہیں۔

ہم جناب برق کے اِس چیلنج کو محض مغالطہ اور سفسطہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یا تو جناب برق صاحب

خاتم النبیین کی ترکیب کو خود نہیں سمجھ سکے اور یا انہوں نے ناواقفوں کے لئے عمداً ایک الجھن پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ہم سب کہتے ہیں :-

محمّد خاتم النبیّین

اِس جملہ اسمیہ میں **محمّد مبتداء** ہے اور خاتم النبیین کا مرکب اضافی خبر واقع ہوا ہے۔ اب برق صاحب کہتے ہیں کہ ایسے مرکب اضافی میں کبھی مضاف مضاف الیہ کا خالق و موجد نہیں ہو سکتا۔ اور آج تک نہ کبھی عربی زبان میں ایسا ہوا ہے اور نہ ہی کسی اور زبان میں۔ میں جوں جوں برق صاحب کے اس **متحدیانہ بیان** پر غور کرتا ہوں۔ مجھے ہنسی بھی آتی ہے اور حیرت بھی۔ کہ جناب برق صاحب نے یہ کیا بچوں والی بات لکھ دی ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ وہ اس بات پر اس قدر اترا رہے ہیں۔ میں ان سے اور ان کے جملہ مداحوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ باقی زبانوں کو تو رکھیں ایک طرف، وہ عربی زبان پر ہی سرسری تدبّر فرمائیں تو انہیں برق صاحب کی انتہائی علمی خامی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ اب اُوپر والے فقرہ کے مقابل مندرجہ ذیل دسؔ مرکب اضافی خبروں کا مطالعہ فرمایئے :-

(۱) اللہ ربّ العالمین (اللہ سب جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔) - اس میں ربّ العالمین خبر ہے۔ ربّ مضاف ہے اور العالمین مضاف الیہ ہے اور ربّ۔ عالمین کا خالق و صانع ہے۔ گویا مضاف مضاف الیہ کا خالق ہے۔

(۲) اللہ الٰہ النّاس (اللہ سب لوگوں کا معبود ہے۔) - اس میں الٰہ النّاس خبر واقع ہوا ہے۔ الٰہ مضاف ہے اور النّاس مضاف الیہ ہے اور ظاہر ہے کہ وہ الٰہ تمام لوگوں کا خالق و موجد ہے[۱] گویا مضاف مضاف الیہ کا خالق ہے۔

(۳) ھو بدیع السّمٰوات (وہ آسمانوں کو بنانے والا ہے) - اس میں بدیع السّمٰوات مرکب اضافی خبر واقع ہوا ہے۔ بدیع مضاف ہے اور السّمٰوات مضاف الیہ ہے۔ اور مضاف مضاف الیہ کا خالق و موجد ہے۔

(۴) ھُنَّ اُمَّھَاتُکُم (وہ تم سب کی مائیں ہیں) - اِس جملہ میں اُمّھاتکم مرکب اضافی ہے۔ لفظ اُمّھات مضاف ہے اور ضمیر کُم مضاف الیہ ہے اور یہ مضاف اپنے مضاف الیہ کا موجد ہے۔

(۵) ھُم اٰباءُکُم (وہ تم سب کے باپ ہیں) - اِس جملہ اسمیہ میں اٰباءُکم مرکب اضافی ہے۔ لفظ اٰباء مضاف ہے اور ضمیر کُم مضاف الیہ ہے۔ اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ باپ اپنے بچوں کے موجد اور خالق ہوتے ہیں۔ گویا مضاف

---

[۱] ہم ان مقامات میں لفظ خالق اور موجد اور صانع اسی محاوری مفہوم میں بول رہے ہیں جس میں برق صاحب خاتم النبیین میں آنحضرتؐ کو نبیوں کا خالق و موجد قرار دینا چاہتے ہیں ورنہ سب کائنات اور تمام اشیاء کا ایک ہی حقیقی اور کامل خالق ہے۔ زیرِ نظر اطلاق آیت کما دتبیانی کے مطابق مجازی ہے۔ منہ

مضاف الیہ کا خالق وموجد ہے۔

(۶) زید ربّ الاسرۃ (زید خاندان کا بانی ہے) — اس جملہ میں لفظ ربّ الاسرۃ مرکب اضافی ہے جو زید کیلئے استعمال ہوا ہے۔ ربّ مضاف ہے اور الاسرۃ مضاف الیہ ہے اور زید اپنے خاندان کا بانی ہونے کے لحاظ سے خاندان کا خالق اور موجد ہے۔ گویا مضاف مضاف الیہ کا خالق قرار پایا۔

(۷) النّبیّ مُحییکُم (نبی تمہیں روحانی زندگی بخشنے والا ہے) ۔ اس جملہ میں لفظ مُحییکم مرکب اضافی ہے۔ مُحیِ مضاف ہے اور کُمْ مضاف الیہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت لما یُحییکُم کے مطابق اس جملہ میں مومنوں میں روحانی زندگی ایجاد کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

(۸) اللّٰہ فاطر السّموات والارض۔ (اللہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے) ۔ اس جملہ اسمیہ میں فاطر السموات مرکب اضافی ہے۔ فاطر مضاف ہے اور السموات مضاف الیہ ہے۔ فاطر آسمانوں و زمین کا خالق ہے۔ گویا مضاف مضاف الیہ کا خالق وموجد ہے۔

(۹) هُمْ بُناۃ المسجد (وہ مسجد بنانے والے ہیں) ۔ اس میں بناۃ المسجد مرکب اضافی ہے۔ بناۃ مضاف ہے جو بانی کی جمع ہے۔ اور المسجد مضاف الیہ ہے گویا مضاف مضاف الیہ کے موجد اور تعمیر کنندہ ہیں۔

(۱۰) ابراھیم ابو الانبیاء۔ (حضرت ابراہیمؑ نبیوں کے باپ ہیں) اس جملہ اسمیہ کی خبر لفظ ابو الانبیاء مرکب اضافی ہے۔ ابو مضاف ہے اور الانبیاء مضاف الیہ ہے۔ اور یہ مرکب اضافی حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ذکر ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ مضاف مضاف الیہ کا ابوّت کے رنگ میں خالق وموجد ہے۔

ان دس نظائر کی روشنی میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب برق صاحب نے نہایت غلط **قاعدہ** بنایا ہے جو سراسر بے بنیاد ہے۔ عربی زبان کے مرکبات اضافی اس کی صریح تغلیط کر رہے ہیں۔ مجھے رہ رہ کر تعجب آرہا ہے کہ ایسے مرکبات کی بے شمار تعداد کے باوجود برق صاحب نے یہ لکھ کس طرح دیا کہ :۔

"ایک بھی ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا خالق و موجد ہو"

جبکہ برق صاحب کا یہ **قاعدہ** ہی بے بنیاد ٹھہرا تو اس پر ان کی تعمیر کردہ عمارت کب قائم رہ سکتی ہے وہ بھی پیوند زمین ہوگئی ہے ۔

طوفانِ نوح (بقیہ صفحہ ۱۲)

پریس ایسوسی ایشن نے جاپان کے سرکاری حلقوں کے حوالے سے اطلاع دی ہے کہ وہاں ڈیڑھ ہزار افراد ہلاک ہوگئے ہیں ـــــ غیر سرکاری اطلاع کے مطابق مرنے والوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ سرکاری اطلاع کے مطابق ۴ ہزار سے زیادہ افراد مجروح بھی ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک لاکھ کے قریب مکانات پانی میں بہہ گئے اور دو لاکھ چار سو سے زائد مکانوں میں پانی بھر گیا ہے۔ خبر میں بتایا گیا ہے کہ جاپان کی تاریخ میں ایسا سیلاب کبھی نہیں آیا۔ ملک بھر میں ریلوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ بیشمار پل پانی میں بہہ گئے ہیں ریلوں کی پٹڑیاں اکھڑ گئیں اور سڑکیں پانی کی نذر ہوگئی ہیں ـــــ جاپان کے ایک بڑے شہر ناگویا میں بہت سے لوگ ہلاک ہوگئے ہیں ـــــ ناگاشیما کا پورا شہر برباد ہوگیا ہے۔ مختلف مقامات پر بیشمار کشتیاں ڈوب گئیں۔

ریڈیو پاکستان کی اطلاع کے مطابق جاپان میں قیامت خیز طوفان اور ہلاکت خیز سیلاب کے ساتھ ہوا کی رفتار ایک سو سے ایک سو بیس میل فی گھنٹہ ہے۔ طوفان جاپان کے ایک شمالی جزیرہ ھوکیڈو اور روسی جزیروں کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اطلاع کے مطابق کوریا بھی طوفان کی زد میں آیا ہوا ہے وہاں ایک ہزار سے زیادہ مچھیرے لاپتہ ہوگئے ہیں۔ یہ مچھیرے مچھلیاں پکڑنے کی غرض سے گئے ہوئے تھے لیکن ان میں سے ایک بھی واپس نہیں آیا۔"

ناظرین کرام! یہ چند اقتباسات تازہ ترین حالات پر اور ایک محدود علاقہ کے متعلق ہیں ورنہ جو کیفیت انواع و اقسام کے عذابوں سے دنیا کی ہو رہی ہے وہ نہایت بھیانک ہے اور الٰہی نوشتوں کے مطابق جو مقدر ہے وہ اس سے بھی تاریک تر ہے۔ ان حالات کو زیر نظر رکھ کر مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:۔

"اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۷ (مطبوعہ ۱۹۰۷ء))

کیا اب بھی کسی شبہ کی گنجائش ہے کہ خدا کی بات پوری ہو چکی ہے؟

رُوحانیت

اور

رسالہ "طلوعِ اسلام"

(جناب مولوی عبد الکریم صاحب پشاور)

مسلمانوں میں وہ لوگ جو اپنی عقل کی دیوی کے پرستار ہیں اور مغربی نظریات کی چمک دمک نے انکی نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے' وہ انسانی زندگی کا انتہائی مقصد صرف تسخیرِ کائنات اور دُنیاوی جاہ وجلال کا حصول خیال کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی بعض خصوصیات کا انکار اسلئے کرتے ہیں کہ ان کے نفوس ان مخصوص روحانی کمالات سے محروم ہیں۔ وہ اپنے اوہام اور قیاسات کو ہی دنیا کے سامنے بطور قرآنی معارف کے پیش کرتے ہیں حالانکہ ان کے وہ قیاسی استدلال صرف پائے چوبیں کے مصداق ہیں جو کہ بقول سعدی علیہ الرحمۃ سخت بے تمکین ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر انسان کے دل میں یقینِ کامل پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی خشک منطق انسانی قلوب اور اذہان کیلئے باعثِ تسکین و اطمینان اور تنویر ہوسکتی ہے اور نہ ہی ان کے قیاسات سے انسان کی وہ روحانی پیاس بجھ سکتی ہے جو فطرتِ انسانی میں پائی جاتی ہے۔ اور نہ ہی ان کے ان ظنونِ فاسدہ سے اسلام بمقابلہ دیگر ادیان کے زندہ مذہب ثابت ہوسکتا ہے۔ الغرض اسلام کی وہ خصوصیات جن کا انکار مغرب زدہ طبقہ کرتا ہے اس قدر شاندار ہیں کہ ان سے انسان کو تسکینِ قلب حاصل ہوتی اور اس کی روحانی پیاس بجھتی ہے۔ اسلام کی صداقت اور اسکے زندہ مذہب ہونے پر وہ خصوصیات برہانِ ناطق اور دلیلِ روشن ہیں۔ چنانچہ ان خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت وحیِ الٰہی کا نزول ہے جو اُمتِ محمدیہ کے کاملین (ربانی لوگوں) پر (جن کو روحانیت کا اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے) نازل ہوتی ہے۔

رسالہ "طلوعِ اسلام" میں ایک مقالہ جناب پرویز صاحب کا "روحانیت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ پرویز صاحب نے لکھا کہ :-

"قرآن جس قسم کی سیرت پیدا کرنا چاہتا ہے اسے عقلی اور فکری طریق پر پرکھا اور پہچانا جاسکتا ہے۔ یعنے وہ کوئی ایسی روحانیت پیدا نہیں کرنا چاہتا جسے عقل کے چراغ گُل کرکے باطن کی آنکھ سے دیکھا جاسکے۔"

(مئی ۵۸ء)

گویا بقول مقالہ نویس پہلے جس قدر نبی اور رسول اللہ تعالیٰ ارسال کرتا رہا ان کے عقلی چراغ گُل کرکے ہی ان کو عالمِ ناشہود کا کچھ علم عطا کرتا رہا۔ کیونکہ محض عقل سے تو عالم الشہادۃ کا ہی علم انسان حاصل کرسکتا ہے نہ کہ عالم الغیب کا۔

پرویز صاحب نے قرآن مجید کی پیش کردہ روحانیت کو مسدود ثابت کرنے کے لئے اپنے صغریٰ و کبریٰ کی بنیاد چند

مغالطات پر قائم کی ہے ۔ انہوں نے بعد میں ان مغالطات پر دیواریں تعمیر کی ہیں لکھا ہے کہ :-

۱ - "کائنات کے متعلق قرآن نے بتایا ہے کہ ایک عالمِ خلق ہے جسے دنیائے محسوسات کہا جاتا ہے ..... جس کا علم تجربات و مشاہدات کی رُو سے کیا جا سکتا ہے ۔ یہ علم ہر صاحبِ عقل و فکر حاصل کر سکتا ہے ۔"

۲ - "دوسرا عالمِ امر ہے جسے عالمِ ناشہود کہا جا سکتا ہے ۔"

۳ - "عالمِ امر کو عالم الغیب بھی کہا گیا ہے جس کے مقابلہ میں عالم الشہادۃ (۵۹/۲۲) یعنے دنیائے محسوس ہے ۔"

۴ - "اس عالم الغیب سے متعلق کچھ علم (جتنا خدا چاہے) ان انسانوں کو (جن کی عقل کے چراغ بقول مقالہ نویس گل ہوتے ہیں ۔ ناقل) مل سکتا ہے ۔ جنہیں خدا اس مقصد کے لئے منتخب کرتا ہے ۔"

۵ - فلا یُظھِرُ علیٰ غیبہٖ اَحَدًا اِلّا من ارتضیٰ من رسول (۷۲/۲۶) جن انسانوں کو اس طرح عالم الغیب کا علم دیا جاتا ہے انہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اور اس طرح کے علم کا نام وحی ہے ۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک (۳/۴۳)"

۶ - "کسی انسان کو وحی اس کی اپنی کوشش سے نہیں مل سکتی ۔ یختصُّ برحمتہ مَن یشاء (۳/۷۲) (مقالہ نویس نے پوری آیت کسی خاص مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نقل نہیں کی ۔ پوری آیت یوں ہے ۔ قُل انّ الفضل بید اللہ یؤتیہ مَن یشآء واللہ واسعٌ علیمٌ ۔ یختصُّ برحمتہ مَن یشآء واللہ ذوالفضل العظیم (۳/۷۳-۷۴) ۔ ناقل)"

۷ - "اس سے ظاہر ہے کہ وحی ..... ایک وہبی چیز ہے جو کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہِ راست اور بلا سعی و کاوش ملتی ہے ۔ اس لئے اسے ہر انسان حاصل نہیں کر سکتا ۔ یہ صرف نبی کو ملتی ہے ۔"

۸ - "لیکن نبوت کا سلسلہ نبی اکرمؐ پر ختم ہو گیا ہے ۔ اسلئے اب وحی یعنے خدا کی طرف سے براہِ راست علم کسی انسان کو نہیں مل سکتا ۔"

۹ - "اب انسان کے پاس علم کے دو ذرائع ہی رہ گئے ہیں ۔ عالمِ امر کی نسبت جو کچھ قرآن نے کہدیا وہ (یا اب جو پرویز صاحب اپنی اٹکل سے عقلی باتیں دنیا کے سامنے پیش کریں ۔ ناقل) اور محسوس کائنات کے متعلق انسان کا فکر و تدبر ۔"

۱۰ - "لہذا اب یہ کہنا کہ حصولِ علم کا کوئی باطنی طریق بھی ہے جس سے انسان کائنات ناشہود کا مشاہدہ کر سکتا ہے یکسر غیر قرآنی

نظریہ ہے":
جناب پرویز صاحب کے کلام میں پہلا مغالطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب میں سے "کچھ علم" سوائے رسولوں کے کسی دوسرے کو عطا نہیں کرتا۔ حالانکہ آیت ۲۷/۶۵ کا اصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر سوائے اپنے برگزیدہ رسولوں کے کسی دوسرے کو "غالب" نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "یُظھر" تین مقامات پر (یعنے ۹/۴۲ و ۲۸/۲۹ و ۹/۶۱) غالب کے معنوں میں استعمال فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی
وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ
كُلِّهٖ۔

یعنے اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اسلئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ اس کو دوسرے دینوں پر غالب کرے۔"

لفظ نبی، فعیل کے وزن پر ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اخبار غیبیہ کا بکثرت علم بذریعہ وحی دیا جاتا ہے وہ نبی کہلاتا ہے۔ پس فلا یظھر علی غیبه کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے بغیر علم الغیب میں سے "کچھ علم" عام انسانوں کو عطا ہی نہیں کرتا۔ آیت مذکورہ کے یہ معنے قرآن مجید کی بعض آیات اور مشاہدہ صریحہ کے خلاف ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ دو عورتوں کو جو نہ نبیہ تھیں اور نہ ہی رسول، بذریعہ وحی بعض امور غیبیہ سے اطلاع دی گئی۔ فرمایا:۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ
فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ
وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ
اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (۲۸/۸)

یعنے ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ تو اسے دودھ پلائے جا۔ جب تجھے خوف محسوس ہو تُو اسے دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور حزن نہ کرنا۔ ہم اس کو پھر تیری کفالت میں لوٹا دیں گے اور خدا کے برگزیدہ مرسلوں میں سے بنائیں گے۔

(۲) حضرت مریمؑ کو بذریعہ ملائکۃ اللہ اطلاع دی گئی:۔

اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ قلے
اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ
وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ
فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (۳/۵)

کہ اللہ کی طرف سے تجھے ایک بیٹے کی بشارت دی جاتی ہے اس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ دُنیا اور آخرت میں وہ صاحبِ عزت اور میرے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ بچپن اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرے گا۔

الغرض پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "کچھ علم" عالم الغیب سے دیا جاتا ہے وہ نبی اور رسول ہوتے

ہیں۔ اور وہ علم بذریعہ وحی دیا جاتا ہے اور وحی بغیر رسول اور نبی کے دوسرے کو ہوتی نہیں سراسر غلط ہے۔ جناب پرویز صاحب کا یہ قول بھی یکسر غلط ہے کہ وحی ایک وہبی چیز ہے جو کسی انسان کو بلا سعی و کاوش ملتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وحی اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ملتی ہے۔ نہ صرف وحی بلکہ تمام نعماء الٰہی اور درجات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً جہنم سے نجات اور جنت کا انعام بھی اس کے فضل اور رحمت پر ہی منحصر ہے۔ نیک اعمال صرف اس کے فضل کو جذب کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ نبوت اس کی رحمت ہے۔ مگر یہ رحمت صرف نیکو کاروں کو ہی عطا کی جاتی ہے۔ فرمایا:-

۱- اِنَّ رحمۃ اللہ قریبٌ مِّن المحسنین۔ (۸/۵۷)

۲- ولمّا بلغ اشُدَّہٗ اٰتینٰہُ حُکمًا و علمًا وکذالک نجزی المحسنین۔ (۱۲/۲۲)

یعنے میری رحمت نیکو کاروں کو ہی ملتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت فرمایا۔ جب وہ سنِ بلوغت کو پہنچا تو ہم نے اس کو علم و حکمت عطا کیا۔ اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح اپنی رحمت عطا کیا کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں لفظ موہبت متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے مگر کسی جگہ سعی و کاوش کے بغیر اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ مثلاً فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو

اِذ وھبنا لہٗ اسحٰق و یعقوب و کلًّا جعلنا نبیًّا۔ (۱۶/۵)

۲- یخلق ما یشآء و یھب لمن یشآء اناثًا و یھب لمن یشآء الذکور (۲۵/۵)

کیا حضرت ابراہیم کو اسحاقؑ بلا کسی سعی و کاوش کے ہی اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا تھا۔ اور یہ بیٹے اور بیٹیاں جو اللہ تعالیٰ انسانوں کو وہبی طور پر عطا کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و کاوش کا کچھ دخل ہوتا ہے یا نہیں؟

یہ لفظ ۸/۲ و ۲۵/۵ و ۱۹/۴۴ میں بھی استعمال ہوا ہے مگر وہاں بھی سعی و کاوش کا ذکر ہے۔

الغرض! یہ نظریہ کہ جو چیز اللہ تعالیٰ وہبی طور پر عطا کرتا ہے اس میں انسان کی سعی و کاوش کا دخل نہیں ہوتا یہ پرویز صاحب ایسے رموزِ قرآن جاننے والوں کا ایجاد کردہ ہے۔ مگر قرآن مجید سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شاعر احمدیت حسن رہتاسی مرحوم نے فرمایا ہے ؎

ہم سے پہلے جس قدر انعام اگلوں پر ہوئے
تا ابد جاری ہیں وہ مومن کا ایماں اب بھی ہے
والذین جاھدوا فینا ہیں زیرِ موہبت
میرے دعویٰ کی مؤید نصِ قرآں اب بھی ہے
لیس للانسان الا ما سعیٰ سننے کے بعد
تجھ کو ناحق کیسی وہبی کا خلجاں اب بھی ہے

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر انعامات بندوں کو عطا کئے جاتے وہ سب ہی وہبی ہیں۔ کیونکہ انسان جن سامانوں اور اعضاء اور قویٰ سے کسب خیر کرتا ہے وہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور یہ بندہ خدا تعالیٰ کا مملوک ہے۔ اگر یہ نیک اعمال بجا لاتا ہے تو

اس کا معاوضہ طلب کرنے کا یہ حق دار نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں بندہ جان ایسی قیمتی چیز بھی قربان کرے تو یہ بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔ غالب نے کہا ہے کہ ؎

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ جہنم کے عذاب سے بچنا نیک اعمال پر منحصر نہیں اور نہ ہی جنت کا انعام اعمالِ نیک کا معاوضہ ہے فرمایا:۔

ووقٰہم عذاب الجحیم فضلاً
من ربک ط ذالک ھو الفوز
العظیم ہ (۴۴/۵۸)

یعنے تیرے رب کے فضل نے ان کو جہنم کے عذاب سے بچایا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

پھر فرمایا:۔

سابقوا الی مغفرۃ من ربکم و
جنۃ عرضہا کعرض السماء
والارض ط ذالک فضل اللہ
یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل
العظیم ہ (۵۷/۲۲)

یعنے اعمال نیک میں ایک دوسرے سے سبقت بجا لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس جنت کے حصول کے لئے جس کی چوڑائی زمینوں اور آسمانوں کی چوڑائی کے برابر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یہ فضل جس کو وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

پرویز صاحب نے تو صرف نبوت کو ہی فضل قرار دیا ہے مگر قرآن مجید نے نہ صرف نبوت کو بلکہ صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے مقام کو بھی اپنا فضل قرار دیا ہے فرمایا:۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک
مع الذین انعم اللہ علیہم من
النبیین والصدیقین والشہداء
والصٰلحین ط وحسن اولٰئک
رفیقاً۔ ذالک الفضل من اللہ (۴/۷۰)

نوٹ:۔ میں نے ابتدائی سطور میں اشارۃً یہ لکھا تھا کہ پرویز صاحب نے اپنے مقالہ کے ص۲۸ پر آیت ۳/۷۴ کا ایک ادھورا ٹکڑہ نقل کیا ہے۔ اس کا پہلا حصہ قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ہ اور آخری ٹکڑہ واللہ ذو الفضل العظیم چھوڑ دیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ فضل صرف مقام نبوت کے لئے ہی نہیں بلکہ جہنم سے بچنے اور جنت کے عطا ہونے اور صدیقیت وغیرہ کے انعامات ملنے پر بھی استعمال کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے استدلال کی بنیاد صرف ادھورے ٹکڑہ یختص برحمتہ من یشاء پر رکھی۔ واللہ اعلم۔

جناب پرویز صاحب کے قول "لیکن نبوت کا سلسلہ نبی اکرمؐ پر ختم ہوگیا ہے" کی تردید آیت ۴/۷۰ سے بطور نص صریح ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں جو دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم کی سکھلائی ہے اس کی تفسیر خود ہی

سورۂ نساء کی محولہ بالا آیات میں فرمادی ہے۔ چنانچہ جیسے پہلے فرمایا :-

ولو انّھم فعلوا ما یُوعظون
بہٖ لکان خیراً لھم و اشدّ
تثبیتاً ۵ و اذاً لاٰتینٰھم
من لدنّا اجراً عظیماً ۵ ولھدینٰھم
صراطاً مستقیماً ۵ (نساء ع ۹)

الغرض صراطِ مستقیم جو مومن کا منتہائے مقصود ہے وہ چار انعاموں پر مشتمل ہے۔ اور نبوّت کا انعام ان میں سے اللہ تعالیٰ نے سرِفہرست درج فرمایا ہے۔ پھر کوئی شخص جس کو فہمِ قرآن سے معمولی حصّہ بھی ملا ہو کس طرح کہہ سکتا ہے کہ "سلسلہ نبوّت (یعنے اظہارِ امرِ غیب بذریعہ وحی) نبی اکرم ؐ پر ختم ہو گیا ہے۔"

نیز پرویز صاحب کے قول کی تردید اور تکذیب شاہد صریح بھی کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک عظیم الشان نبی اپنے فضل اور رحمت سے مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے علمِ غیب کے دروازے کھول دیئے۔ جو مکذبین آیات اللہ اور متکبرین پر نہیں کھولے جاتے۔ البتہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان پر ان برکات کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ (ع ۹ / ۷)

اور عالم الغیب کی وہ خبریں عظیم الشان تبشیر و انذار پر مشتمل ہیں۔ وہ معمولی خبریں نہیں بلکہ "نباء عظیم" ہیں۔ جن کا قوموں اور ملکوں کے ادبار و اقبال سے تعلق ہے۔ اور نہ صرف موجودہ زمانہ کے ساتھ ان خبروں کا تعلق ہے بلکہ آئندہ زمانوں میں بھی جو انقلابات دنیا میں برپا ہونے والے ہیں ان کا بھی ان غیب کی خبروں میں ذکر پایا جاتا ہے جن کا معلوم کرنا انسانی قیاس سے ناممکن و محال ہے۔ جناب پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ :-

"یہ درست ہے کہ بعض لوگوں سے اس قسم کی باتیں سرزد ہوتی ہیں جن کی منطقی اور فکری توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس سے کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ چیزیں ایک ایسی قوت کا نتیجہ ہیں جو از قبیل موہبت ہے۔ انسان میں بعض ایسی قوتیں ہیں جنکی نشوونما سے اس سے بڑھ کر محیّر العقول باتیں ظہور میں آسکتی ہیں۔ ہپناٹزم اور مسمریزم وغیرہ انہی قوتوں کے نشوونما کے طریق ہیں۔"

جناب پرویز صاحب نے ایک سانس میں لکھا۔ کہ اس قسم کی باتوں کی "منطقی یا فکری توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی"۔ مگر دوسرے سانس میں لکھا کہ "ہپناٹزم اور مسمریزم وغیرہ انہی قوتوں کی نشوونما کے طریق ہیں" جن سے محیّر العقول باتیں ظہور میں آسکتی ہیں۔"

یہ تضاد بیانی پرویز صاحب کی دماغی الجھن کی زندہ مثال ہے۔ وہ محض اپنی ناقص عقل سے ان امور پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ جو ان کے علم و فہم سے بالاتر ہیں۔ ان کے اس وسوسہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ پہلے انبیاء کی نسبت بھی ان کے مخالفوں نے اسی قسم کی بدگمانی کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ :-

۱- اِن ھٰذا اِلّا سحرٌ یؤثر ۵ اِن ھٰذا
اِلّا قول البشر ۵ (ع ۲۵/۱ ۲۶ ، ۲۵)

یعنے یہ ایک پرانا جادو ہے خدا کی وحی
نہیں بلکہ بشر کا اپنا کلام ہے۔"

۲- وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا
سحر مستمر ۵ (۵۴/۳)

قرآن مجید نے خدا کے نبیوں اور نجومیوں و شعبدہ بازوں کی خبروں میں فرق کرنے کے لئے حق و باطل میں کھلا کھلا امتیاز ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان کی نیت بخیر ہو۔ جو لوگ نیکی اور تقویٰ سے بے نصیب اور "روحانیت" سے کوسوں دور ہوتے ہیں وہ اتباعِ حق کے لئے سو سو بہانے بناتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

۱- فلما جاءھم الحق من عندنا قالوا
ان ھذا لسحر مبین ۵ قال
موسیٰ اتقولون للحق لما جاءکم
اسحر ھذا ولا یفلح الساحرون (۱۰/۷۸)

۲- فلما القوا قال موسیٰ ما جئتم بہ
السحر ان اللہ سیبطلہ ان
اللہ لا یصلح عمل المفسدین ۵
ویحق اللہ الحق بکلمٰتہ ولو
کرہ المجرمون ۵ (۱۰/۸۲-۸۳)

۳- فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ ۵
قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ ۵
والق ما فی یمینک تلقف ما
صنعوا انما صنعوا کید ساحر
ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ ۵ (۲۰/۶۸-۷۰)

ان آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے مقابلہ میں جو مکر و کید اور منصوبے تیار کئے جاتے ہیں وہ بالآخر سب باطل ہو جاتے ہیں اور ان کو ناکامی و نامرادی ہوتی ہے۔ وہ نبی اور اس کی جماعت کی راہ میں جو روڑے اٹکاتے ہیں اُن سے نبی کی کامیابی میں کوئی روک پیدا نہیں ہوتی۔ بالآخر نبی مظفر و منصور ہوتا ہے۔

پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ "اب انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ عالم امر کے متعلق جو کچھ قرآن نے کہدیا وہ۔ اور محسوس کائنات کے متعلق انسان کا فکر و تدبر ......

یہ کہنا کہ حصولِ علم کا کوئی باطنی طریق بھی ہے۔ جس سے انسان کائنات نامشہود کا مشاہدہ کر سکتا ہے یکسر غیر قرآنی تصور ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ علوم باطنی کے حصول کی پہلی شرط تزکیہ نفس ہے جس سے قلبِ انسانی میں جلا اور ایک قسم کا نور پیدا ہوتا ہے۔

مگر جن لوگوں کے نفوس کا نہ تزکیہ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے اندر طہارت اور پاکیزگی کا نور رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف اس نعمت سے خود محروم ہوتے ہیں بلکہ یہ پروپیگنڈا دنیا میں شروع کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب کسی بشر سے ہمکلام ہوگا ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں نے دوسرے سے بدمذہبوں کی طرح وحی الٰہی کے نزول سے انکار کیا تھا (۶/۹۲) مگر اس زمانہ کے لوگ صرف آئندہ کے لئے نزولِ وحی کو مسدود قرار دینے کی سعی ناکام کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر دانی کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بزعم خود اس مقام پر خیال

کرتے ہیں کہ اب ان کو وحی الٰہی کے سہاروں کی ضرورت نہیں رہی - یہ بڑے تکبّر کا کلمہ ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتا ہے - انسان جس طرح مادی طور پر آسمانی پانی کا محتاج ہے بعینہٖ اسی طرح آسمانی پانی (وحی الٰہی) کا بھی محتاج ہے۔

قرآن مجید میں چونکہ ہر قسم کے علوم پائے جاتے ہیں۔ جیسے فصاحت و بلاغت، خطابت، اقتصادیات و معاشیات، سیاسیات و اخلاقیات اور اخوت و مساوات کے قیام کے طریق۔

جو لوگ صرف عقل کی دیوی کے پرستار ہیں وہ صرف ان علوم کے حصول پر ہی زور دیتے ہیں مگر ان علوم کے حصول کی ضرورت نہیں سمجھتے جو در اصل پیدائش انسانی کا اصل مقصد ہیں - چونکہ ان کے حصول کے لیے تزکیۂ نفس اور قلب مطہر کی ضرورت ہے - ان کی طرف نہ خود انکی توجہ ہے اور نہ دنیا کو توجہ دلاتے ہیں۔

قرآن مجید کے ان علوم کو حاصل کرنا جن کا تعلق صرف عالم الشہادۃ تک ہے کوئی بڑا کمال نہیں - یہ علوم تو ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتے ہیں جو دن رات شرابیں پیتے ہیں (جو امّ الخبائث ہے) سُوّر کھاتے ہیں (جو سراسر نجس اور فسق مجسم ہے) زنا کرتے ہیں - وہ ان تمام عیوب اور ناپاکیوں اور فسق و فجور کے باوجود اپنے دماغی علوم اور مادی ایجادات کے ذریعہ دنیا کو محوِ حیرت بنا رہے ہیں - اور اُن قرآنی صداقتوں کے قریب پہنچ گئے ہیں - جو عالم الشہادۃ سے تعلق رکھتی ہیں - مثلاً اسلامی سیاست اور معاشرت و اخلاقیات اور اقتصادیات کے متعلق جو کتابیں انہوں نے لکھی ہیں اُن کی دن رات کاسہ لیسی کر کے

یہ لوگ بھی "نظامِ ربوبیت" وغیرہ لکھ کر اپنی روٹی کا مسئلہ حل کر رہے ہیں - حالانکہ انسان روٹی سے ہی زندہ نہیں رہتا بلکہ خدا کے کلام سے زندہ ہے - جیسا کہ مسیح نے بھی فرمایا ہے اور قرآن مجید بھی اسی امر کی طرف راہنمائی کرتا ہے فرمایا :-

۱- یاایّھا الّذین اٰمنوا استجیبوا
للّٰہ وللرّسول اذا دعاکم لما
یحییکم ج واعلموآ انّ اللّٰہ
یحول بین المرء وقلبہٖ (۹/۲۴)
۲- یاایّھا الّذین اٰمنوا ان تتّقوا
اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً ویکفّر
عنکم سیّاٰتکم ویغفر لکم
واللّٰہ ذوالفضل العظیم (۸/۳۰)
۳- والّذین اھتدوا زادھم ھدیً
واٰتٰھم تقوٰھم (۴۷/۱۸)

پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ "قرآنی سیرت روحانیت میں نیا جنم لینا نہیں" میں کہتا ہوں کہ :-

۱- اگر ان کی بات درست ہے تو وہ بتائیں اللہ تعالیٰ مومن بننے کے بعد پھر نئے جنم کی امید اس شرط پر کس لئے دلاتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات قبول کر لیا کریں - جب وہ ان کو ایک نئی زندگی عطا کرنے کے لئے بلائیں ؟

۲- مومن اور غیر مومن میں سوائے تقویٰ کے کون سا فرق مسلمان دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں - اگر اُن میں کوئی صاحب روحانیت نہ ہو جو اللہ تعالےٰ

کے ساتھ ہمکلامی کا شرف رکھتا ہو۔

مادی ترقیات یعنے عالم الشہادۃ پر تو غور و فکر کرکے وہ فاسق و فاجر بہت آگے نکل گئے ہیں جن کی تباہی تیاری کی مسلمانوں کو پرویز صاحب اب دعوت دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم مومن کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں اور اسکو ایک نور (وحی الٰہی کا شرف) عطا کرتے ہیں جسکی روشنی میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ قرآن مجید کی تعلیم پر چلتے ہیں ان کے تقویٰ میں اللہ تعالیٰ زیادتی کرتا ہے اور ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔ قرآن مجید کے ماسوا وہ کونسی ہدایت ہے ؟ وہ وہی روحانیت ہے جس سے انسان کو نیا جنم ملتا ہے۔

الغرض! قرآن مجید مومنوں کی اس حد تک ہی راہنمائی نہیں کرتا۔ کہ ان کو کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریق اور حکومت وغیرہ کے قوانین بتائے بلکہ ان کو اس مقام تک پہنچاتا ہے کہ وہ پہلے انسان، پھر با اخلاق انسان اور بالآخر با خدا انسان بن جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے رنگ میں ایسے رنگین ہوں کہ صفات الٰہیہ ان کے آئینۂ نفس میں منعکس ہو جائیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حسن و جمال سے بہرہ ور ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بشارتوں سے جو اُن کی کامیابیوں پر مشتمل اور ان کے مخالفوں کی ناکامی و نامرادی پر مشتمل ہوں عطا فرمائیں۔ تاکہ ان کا ایمان ایک زندہ ایمان ہو نہ وہی جس سے عملی زندگی پیدا نہیں ہوتی ✦

چاند پر روسی راکٹ

(از جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل)

چاند پر پہنچا دیا ہے راکٹ اپنا روس نے
جو خبر دی مخبرِ صادق نے نکلی ہے صحیح
ایک حصہ باقی ہے یعنی کہ خون آلود تیر[1]
واپس آئے گا نشاں لیکر پہنچنے کا صریح
عالمِ بالا کے اسرارِ خفی بے انتہاء
پا نہیں سکتے یہ یاجوج اور ماجوج قبیح
کمال اتاری جائے گی جتنی بھی ہفت افلاک کی
پھر آئے گا نظر نورِ سماوی کا صبیح
چاند نیوں کا رہے روشن یہ کرتا ہے دعا
خاکسار اکمل غلامِ حضرتِ مہدی مسیحؑ

---

[1] فیرد اللّٰہ علیہم نشابہم مخضوبۃ دمًا
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۴)

ضروری اطلاع

رسالہ الفرقان کی تاریخ اشاعت اس پرچہ سے ہر انگریزی ماہ کی دس تاریخ ہے۔ بیس تاریخ تک خریدار حضرت دوبارہ پرچہ طلب فرما سکتے ہیں ✦

(مینیجر)

عربی زبان کے بعض امتیازی خصائص

(از جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ شام و لبنان۔)

حرفِ اوّل قرآن کریم نے عربی زبان کے امتیازی خصائص کے اظہار میں ایک جامع و مانع اصطلاح بیان کی ہے جس میں بلا مبالغہ بحرِ زخار کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ (شعراء)

یعنی ہم نے اس قرآن کریم کا نزول مبارک ایک ایسی عظیم الشان زبان میں کیا ہے جو اپنے اسلوب بیان میں مایۂ ناز ہے، مافی الضمیر کو وضاحت سے بیان کرنے والی ہے۔ عربی زبان اپنی لفظی فصاحت، معنوی بلاغت، کثرتِ مترادفات و اشتقاقات، بہتات مفردات، نحو اور صرف میں انتہائی وسیع اور عمیق ہے۔ دراصل مندرجہ بالا اصطلاح "مبین" میں عربی زبان کے کمالات، فضائل اور خصائص کا اظہار کیا گیا ہے۔

۱۔ عربی زبان میں اس کثرت سے مفردات ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکا۔ بعض مستشرقین جنہوں نے عربی زبان کی تحصیل میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزارا ہے وہ بھی اس زبان کی وسعت اور کثرت مفردات پر انگشت بدندان ہیں۔ اور ان کا اعتراف ہے کہ عربی زبان جیسی کوئی زبان نہیں ہے۔ لاتعداد مادے اس میں موجود ہیں اور ہر مادہ دقیق معانی کو لئے ہوئے ہے۔ جیسے لین پول نے بھی اعتراف کیا ہے جس نے تاج العروس کا ترجمہ کیا ہے اور علمی حلقوں میں اس کو انتہائی اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ مشہور عالم اور امام جلال الدین السیوطی صاحبِ اتقان فرماتے ہیں:۔

"لغة العرب متسعة جداً ولا يبعد ان تخفى على الاكابر الجلة" (اتقان)

یعنی عربی زبان انتہائی وسیع ہے۔ بڑے بڑے علماء پر اس زبان کے اسرار کا مخفی رہنا کوئی بعید نہیں ہے۔"

السنہ مختلفہ کے علماء نے ایک اندازے کے مطابق تحریر کیا ہے کہ فرانسیسی زبان میں کلمات کی تعداد ۲۵ ہزار ہے۔ انگریزی زبان میں ایک لاکھ بیان کی گئی ہے لیکن عربی زبان میں صرف مادوں کی تعداد چار لاکھ سے تجاوز کرتی ہے اور نا معلوم اس میں کتنے کلمات ہیں۔ مصر کا مشہور شاعر حافظ ابراہیم عربی زبان کی نمائندگی کرتا ہوا کہتا ہے ؎

انا البحر فی احشائی الدر کامن
فہل ساألوا الغواص عن صدفاتی

میں (عربی زبان) اپنی وسعت میں سمندر کی مانند ہوں۔ میرے اندر موتی چھپے ہوئے ہیں۔ کیا لوگوں نے میری سیپیوں کے متعلق غوطہ خوروں سے دریافت کیا ہے؟

۲۔ **معانی کثیرہ** ۔ عربی زبان کے کئی الفاظ بہت سے مختلف معانی و اغراض کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مطالب مختلفہ کی ادائیگی کے لئے ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً لفظ "عین" عربی زبان میں معانی کثیرہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ لفظ عین کے مندرجہ ذیل چند معانی بطور مثال کے پیش ہیں۔ یہ لفظ تقریباً ساٹھ معانی میں مستعمل ہے:۔

"آنکھ ۔ جاسوس ۔ انسان ۔ خالص چیز۔ دانہ۔ پانی کا چشمہ۔ سورج یا اس کی شعاع ۔ جماعت۔ حاضر یا موجود چیز۔ عزت ۔ قوم کا معزز شخص اور لیڈر ۔ سود ۔ مال ۔ شہر کے باشندے ۔ افراد خاندان ۔ نگاہ ۔ طرف ۔ حفاظت ۔ علم ۔ سوئی کا سوراخ ۔ دینار ۔ ظاہری منظر ۔ فوج کا افسر اعلیٰ "

۳۔ **کثرت مترادفات** ۔ کئی مفردات اور کلمات کا ایک مقصد اور مدلول کیلئے استعمال کرنا۔ ایک لفظ کے بالمقابل کئی الفاظ عربی زبان میں ہم معنی وارد ہوتے ہیں چنانچہ عربی زبان میں "دیکھنے" کے لئے مندرجہ ذیل مترادفات کا استعمال ہوتا ہے:۔

نَظَر۔ رمق۔ لَحَظَ۔ حَدَجَ۔
شفن ۔ رنا

اس جگہ اس امر کا اظہار کر دینا ضروری ہے کہ مترادفات میں اصولی لحاظ سے تھوڑا فرق ضرور ہوتا ہے گو عمومی رنگ میں ضمناً ان میں باہم مشارکت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مندرجہ بالا مثال کے مترادفات جو "دیکھنے" کے مفہوم میں استعمال کئے جاتے ہیں مگر دیکھنے دیکھنے میں بھی فرق ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ لَحَظَ کے معنے کن انکھیوں سے دیکھنے کے ہیں مگر دوسری طرف رمق کے معنے ساری آنکھ کے ذریعہ سے دیکھنا اور حدج کے معنے بنظر غائر دیکھنا۔ شَفَنَ بنظر تعجب یا کراہیت سے دیکھنے کے لئے آتا ہے۔ اور رنا کے معنے سکون کی نگاہ سے دیکھنے کے ہیں۔

اسی طرح عربی زبان میں صرف تلوار کے لئے ایک ہزار[۱۰۰۰] نام موجود ہیں۔ شہد کے لئے اسّی[۸۰] نام۔ شیر کے لئے پانچ صد[۵۰۰]۔ سانپ کے لئے دو صد[۲۰۰]۔ اونٹ کے لئے دو سو پچاس[۲۵۰]۔ گھوڑے، پانی اور شراب وغیرہا کے لئے کئی مترادفات ہیں۔

عربی ادب میں "**خمریات**" یعنی شراب اور اس کے جملہ لوازمات و متعلقات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عربی زبان میں شراب کیلئے ایک ہزار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ مشہور کتاب "حلبۃ الکمیت" میں ہی تقریباً ۲۵۰ ہزار

درج ہیں۔ بطور مثال چند اسماء تحریر کرتا ہوں:۔

الخمر۔ الراحة۔ المدام۔ السلاف۔
القرقف۔ العقار۔ الخندريس۔
الصهبا۔ القهوة۔ الشراب۔
الطلاء۔ الرحيق۔ الشمول۔ الجيال۔
الكميت۔ المروقة۔ المعتقة۔
الصافية۔ الصرف۔ العتيق۔
العاتق۔ البكر۔ العذراء۔ العروس۔
امّ الدهر۔ اخت المسرة۔
ابنة العنب۔ السلسل۔
السلسال۔ السلسبيل۔
السكر۔ النبيذ۔ النضوح۔
المشعشعة۔

مشہور فرانسیسی علمی شخصیت RENAN عربی زبان کی اس اہم ترین خصوصیت پر تنقید کرتا ہوا تحریر کرتا ہے:۔

"مترادفات کی یہ کثرت و بہتات بجائے فائدہ کے ضرر ہے۔ اس سے انسانی ذہن میں ابہام کی کیفیت ہو جاتی ہے۔"

اعتراض بالا کا جواب علامہ یسنی یوں دیتا ہے:۔

"ان للناظم فائدة من هذا الاتساع اذ يتيسر له ان يلتقط من هذه المترادفات ما وافق بحره وقافيته فقد اتفق لى اثناء التعريب ان استعملت كثيراً من اسماء الاسد كالليث والغضنفر والضرغام والقسورة والهزبر والورد والضيغم"

(مقدمہ الیاذہ صفحہ ۹۶)

اس قسم کی وسعت سے شاعر اور مصنف کو فائدہ عظیمہ حاصل ہوتا ہے جبکہ اسے ان مترادفات کے انتخاب کا موقع مل جاتا ہے جو اس کے قافیہ اور بحر کے موافق ہو۔ عربی زبان میں ترجمہ کرتے وقت میں نے شیر کے بہت سے اسماء کو حسب موقعہ استعمال کیا ہے۔ جیسے کہ لیث۔ غضنفر۔ ضرغام۔ قسورة۔ هزبر۔ ورد اور ضیغم وغیرہا۔

مندرجہ بالا خصوصیت پر ایک مستقل کتاب "الروض المسلوف فيما له اسمان الى الوف" مجد الدین الفیروزآبادی کی ہے۔

علمی لطیفہ

ایک دفعہ عباسی شاعر "بشار بن برد" نے ابو حذیفہ واصل بن عطاء کی ہجو اور مذمت کی۔ واصل بن عطاء عربی فصاحت و بلاغت میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا مگر اس کی زبان میں اعصابی نقص تھا جس کی وجہ سے حرف "ر" کا تلفظ نہ کر سکتا تھا اسلئے وہ لفظ "ر" کی بجائے کوئی اور لفظ تلاش کرتا۔ بایں ہمہ معنی اور مفہوم میں کوئی فرق نہ آتا۔ چنانچہ واصل بن عطاء نے عباسی شاعر "بشار بن برد" کے متعلق کہا:۔

"أما لهذا الاعمى الملحد المشنف
المكتنى بابي معاذ من يقتله
والله لولا ان الغيلة من سجايا
الغالية لبعثت اليه من يبعج
بطنه فى جوف منزله "

مندرجہ بالا عبارت میں ایک بھی حرف "ر" استعمال نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ بشار بن برد کا نام بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس میں دو مرتبہ "ر" آتا ہے۔ اس عبارت کو مندرجہ ذیل اسلوب میں بھی ادا کیا جا سکتا تھا۔

"اما لهذا الضرير الكافر المرعث
المكتنى بشار ابن برد من يقتله
والله لولا ان الغيلة من سجايا
المضرية لارسلت اليه من
يبقر بطنه فى داره "
(زهر الآداب للحصرى)

۴۔ مخارج الحروف

عربی زبان کے کلمات اپنے تلفظ، لہجہ اور ادائیگی میں اپنے اندر عجائبات اور اسرار رکھتے ہیں۔ اگر عربی الفاظ اپنے صحیح مخارج سے نہ نکالے جائیں تو معانی کلیۃً بدل جاتے ہیں۔ غیر عرب لوگوں کے واسطے یہ ادائیگی کافی دشوار ہوتی ہے تین مثالیں عرض ہیں۔

(۱) کلب کے معنے کُتے کے ہیں۔
قلب " دل "

(۲) صَوت کے معنے آواز۔ اس کے مقابل
سَوط کوڑا کو کہتے ہیں۔
(۳) ضَلّ۔ گمراہ ہوگیا۔
زَلّ۔ پھسل گیا۔
ذَلّ۔ ذلیل ہوا۔

بعض علماء نے اس سلسلہ میں عظیم الشان کام کیا ہے اور انہوں نے اس میں کافی محنت کرتے ہوئے طویل تجربہ اور استقراء کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ فلاں فلاں حرف نکالتے وقت زبان کی نوک باہر نکلنی چاہیئے۔ فلاں لفظ زبان کے تالو سے نکلنا چاہیئے۔ فلاں حلق کے درمیانی حصہ سے اور فلاں لفظ حلق کے آخری حصہ سے۔ فلاں لفظ نکالتے وقت سیٹی کی مانند آواز نکلنی چاہیئے۔

عربی ابجد کے مندرجہ ذیل حروف میں جو تلفظ استعمال ہوتا ہے دوسری زبانوں میں اس کی مثال بالکل نہیں ملتی۔

ث۔ ح۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ق۔

سنسکرت زبان ۵۶ ابجدی حروف پر مشتمل ہے ...." اس کے مقابل پر عربی زبان ۲۹ حروف پر مشتمل ہے اور طرفہ یہ تعجب ہے کہ سنسکرت میں ح۔ ھ دونوں کیلئے ھ سے کام لیا جاتا ہے اور اس میں بالکل فرق نہیں کیا جاتا۔ کامل زبان وہ ہے جو حلق کے آلۂ صوت کو پوری طرح استعمال کرے چنانچہ فطرت نے حلق کی ایسی تخلیق کی ہے کہ اس میں ح اور

کا فرق نمایاں نظر آتا ہے۔

عربی زبان کے فنِ خطابت میں مخارج الحروف کو انتہائی اہم پوزیشن حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ خطابت نے مخارج الحروف کے فن میں بعض خاص قسم اغلاطِ ادائیگی کو خاص اصطلاحات سے موسوم کر رکھا ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند ایک مثالیں تحریر کرتا ہوں:۔

التمتمة ۔ الفأفأة ۔ العقلة۔
الحسبة ۔ اللفف ۔ المرتة۔
الغمغمة ۔ الطمطمة ۔ اللغنة۔
الترخيم ۔ اللثغة۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے "ورتل القرآن ترتيلا" کہ قرآن مجید کو عمدگی اور الفاظ کو مکمل ادائیگی اور صحیح تلفظ سے ادا کیا جائے۔

۵۔ حروفِ ہجا کے معانی عربی زبان کے حروف ہجا کی تعداد ۲۹ بنتی ہے۔ ان میں سے بعض حروف اپنے اندر متعدد معانی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر حرف "ب" یہ عربی زبان میں کئی اغراض اور مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح لو اور ل کو اکٹھا کر دیا جائے تو یہ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں یہ ایک مستقل فن ہے جسے معانی الحروف کہا جاتا ہے اور یہ علم عربی زبان کے جاننے کے لئے انتہائی ضروری ہے اور اپنے متعلقات میں دقیق اور مشکل ہے۔

۶۔ ض عربی زبان میں حرف "ض" پایا جاتا ہے یہ حرف دوسری زبانوں میں مفقود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان کا دوسرا نام "لغة الضاد" ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کو "الناطقين بالضاد" کہا جاتا ہے۔ اس حرف کا بولنا غیر عرب اقوام کے لئے انتہائی مشکل ہے۔ عرب قوم اس پر ہمیشہ فخر کرتی ہے۔

۷۔ اضداد ایک ہی لفظ ایک مدلول اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر وہی لفظ اس معنے کے برعکس اور خلاف بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے لفظ جَون کے معنے عربی میں سفید اور سیاہ دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح الجلل کے معنے اپنے اپنے موقعہ پر آسان اور مشکل دونوں کے ہیں۔ اسر کے معنے اظہار اور اخفاء دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ البين کے معنے فراق اور وصال کے ہیں۔

۸۔ لغة الاعراب ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص یوں تلاوت کر رہا تھا:۔

إِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولِهِ

اصل آیت یوں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ (توبہ) حضرت علیؓ نے جب یہ "لحن فی الاعراب" یعنی حرکات کی ادائیگی میں غلطی بلحاظ قواعد کے سنی تو آپ کو سخت ذہنی کوفت ہوئی۔ چنانچہ آپ نے "ابوالاسود الدؤلی" کو

فوری ارشاد فرمایا اور اصولی ہدایت فرماتے ہوئے کہا کہ عربی زبان کے قواعد کو اِس اِس طرح مرتّب کرو (انح نحوہ) ان کے اِس ارشاد سے علم نحو کی بنیاد پڑی۔

نحو کا موضوع اور اس کی اساسی غایت عربی زبان کی ہیئت ترکیبی کو صحیح طور پر پڑھنا، تحریر کرنا اور اپنے مافی الضمیر کو صحیح طور پر بیان کرتا ہے۔ بلحاظ حرکات (ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ۔ تنوین۔ جر جزم) کے نحو کا تعلق کلمات مرکبہ سے ہوتا ہے۔ نحو کے متعلق ایک مشہور ضرب المثل ہے جو نحو کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے۔

"النحو فی الکلام کالملح فی الطعام"

یعنی جس طرح کھانا بغیر نمک کے لذیذ نہیں ہو سکتا اسی طرح عربی زبان میں نحو جزو لاینفک ہے۔ ایک شاعر نحو کے متعلق کہتا ہے ؎

النحو اولی اوّلاً ان یعلما
اذ الکلام دونہ لن یفہما

یعنی نحو کا جاننا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس کے سوا کلام سمجھی نہیں جا سکتی۔

اسی طرح دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

لو تعلم الطیر ما فی النحو من شرف
حنت و انت الیہ بالمناقیر
ان الکلام بلا نحو یماثلہ
نبح الکلاب و اصوات السنانیر

یعنی نحو اور اس کے قواعد کو نظر انداز کر دینے سے عربی زبان بالکل لغو ہے۔ علم نحو کی اہمیت کا اندازہ صرف ان علماء النحو (النحاۃ) کی کثرت سے کیا جا سکتا ہے جو پرانے زمانہ میں کوفہ اور بصرہ میں موجود تھے۔ اور ان کے مابین نحوی بحوث و مسائل نے کئی ضخیم کتب کا سرمایہ مہیا کیا۔ بعض مفسرین نے قرآنی مشاکل و مطالب و معارف کا حل علم نحو کی بدولت کیا ہے اور مختلف معانی کو واضح کیا ہے۔

علم نحو بہت سی اصطلاحات پر مشتمل ہے اور ہر اصطلاح ایک خاص مقصد کی حامل ہے۔

اِس جگہ تاریخی لحاظ سے اِس امر کا اظہار کر دینا ضروری ہے کہ اِس علم کی مستقل بنیاد بہت سے علمی مناقشات و مناظرات کے بعد تیار ہوئی ہے۔ علماء بصرہ نے علماء کوفہ سے پہلے اِس علم کی تدوین و ترتیب میں کام کیا ہے۔ چنانچہ علماء بصرہ میں سے مشہور علماء نحو یہ ہیں :-

عمرو بن العلاء۔ خلیل بن احمد۔ سیبویہ۔ اخفش۔

اہل کوفہ نے نحو کا علم علماء بصرہ سے لیا۔ علماء کوفہ و بصرہ میں امتیازی فرق یہ ہے کہ علماء بصرہ سوائے انتہائی اضطرار کے قیاس سے کام نہیں لیتے مگر اس کے برعکس علماء کوفہ نحو کے قواعد میں قیاس سے کام لیتے ہیں۔ چاہے کچھ ہو یہ امر مسلّم ہے کہ علماء بصرہ علماء کوفہ سے بلحاظ علم اور ثقافت کے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ علماء کوفہ میں سے زیادہ مشہور معاذ الہراء۔ الکسائی۔ رؤاسی اور فراء ہیں (دیکھو الموجز فی الادب العربی و تاریخہ)

عباسی زمانہ میں علم نحو کس حد تک مکمل ہوا مگر آج تک اِس فن کو مختلف آسان اسالیب میں تحریر کیا جا رہا ہے۔ لبنانی اور مصری ادباء نے نحو کو آسان اسلوب میں پیش کیا ہے۔

۹۔ صَرف

عربی کے ایک کلمہ کو کئی معانی کے اظہار کے لئے تبدیل کرنے کو صرف کہتے ہیں۔ اور اِس مستقل خصوصیت کو عربی اصطلاح میں علم صرف کہتے ہیں۔ اس علم کا تعلق صرف مفردات سے ہوتا ہے۔ جوں جوں اصل کلمہ میں زیادتی ہوتی جائے توں توں معانی اور مطالب میں بھی زیادتی ہوتی جائے گی۔ مثلاً کَتَبَ ایک شخص نے لکھا زمانہ ماضی میں۔ کَتَبَا دو شخصوں نے زمانہ ماضی میں تحریر کیا۔ کَتَبُوا دو سے زائد اشخاص نے زمانہ ماضی میں تحریر کیا۔

۱۰۔ اختصاص الاوزان

عربی زبان میں جتنے ابواب آتے ہیں وہ کسی نہ کسی خصوصیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ فِعَالَۃ کا وزن عموماً صنعت و حرفت اور تجارت اور اسی قسم کے دیگر پیشوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے تِجارۃ۔

فَعَلان کا وزن عام طور پر اضطراب اور حالت کی تبدیلی کے معانی میں آتا ہے جیسے عطشان۔ غلمان۔ خفقان۔

فُعَالٌ کا وزن عموماً بیماریوں کے لئے۔ صُدَاعٌ۔ زُکَامٌ۔ سُعَالٌ۔

فَعِیْلٌ کا وزن آواز کے لئے۔ عَوِیْلٌ، ذَمِیْلٌ وغیرہ۔

فَعَّلَ میں تکثیر۔ سلب۔ نسبت وغیرہ کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

الغرض ہر باب اور وزن کی الگ الگ معنوی خصوصیات ہیں۔

۱۱۔ معنی اور اسم کے مابین تناسب

عربی زبان کے اسماء کا مسمیات سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً سُوق (بازار)۔ اس کو سُوق اسلئے کہتے ہیں لانّ الارزاق تساق الیھا۔ مختلف اصناف کی اشیاء خرید و فروخت کے لئے یہاں لائی جاتی ہیں۔

الثَّور (بیل) لانّہ یثیر الارض۔ چونکہ بیل زمین کو پھاڑتا ہے اسلئے اسے ثور کہتے ہیں۔

۱۲۔ مرکب حروف کے معانی میں ایک ہی قدرِ مشترک

امام ابن جنی نے کافی استقراء اور تحقیق کے بعد اِس رائے کا اظہار کیا ہے کہ عربی زبان کے حروفِ مرکبہ میں معنوں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر جب عربی زبان میں خ۔ ب۔ ز جمع ہوں تو ان کے معنوں میں حمل اور پھولنے کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ک۔ ل۔ م کے حروف جب آپس میں مل جاویں تو قوّت اور طاقت کے معنے دیتے ہیں:۔

مَلَکٌ ۔ فرشتہ

مَلِكٌ - بادشاہ

لَكْمٌ - تھپڑ

كَلْمٌ - زخم

۱۳- کلمہ کی ترکیب عربی زبان میں کم سے کم تین حرفوں سے کلمہ بنتا ہے جو اپنی ذات میں مستقل مفہوم بیان کرتا ہے۔ جیسے ش۔ع۔ر۔ شَعَرَ اس نے محسوس کیا۔ ش۔ر۔ع۔ شَرَعَ اس نے ابتداء کی۔ ر۔ع۔ش رَعَشَ۔ وہ کانپا۔

۱۴- مجاز مجاز کہتے ہیں: "استعمال الكلمة في غير ما وضعت له" یعنی کلمہ کا استعمال اس کے موضوع لہ معنی کے علاوہ کسی اور محل میں کیا جائے۔ ان مجازی معنوں میں حسن ذاتی و جمال معنوی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ید کے معنے ہاتھ کے ہوتے ہیں۔ مگر مجازاً اس کے معانی قوت۔ غلبہ۔ نفوذ۔ احسان اور نعمت وغیرہا کے بھی ہوتے ہیں۔

۱۵- امثال دنیا کی ہر زبان میں ضرب الامثال (Proverbs) پائی جاتی ہیں۔ مگر جس کثرت اور اسلوب سے عربی زبان میں امثال کا وجود ہے وہ اپنے اندر ایک نرالی اور امتیازی شان لئے ہوئے ہے۔ عربی امثال کی کثرت اور معنوی فوائد کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ یہ امثال جو نہایت ہی مختصر ہوتی ہیں اپنے پس منظر میں کئی تاریخی واقعات اور قصص پر مشتمل ہوتی ہیں جن سے اجمالی فوائد اور علمی نکات کا استنباط کیا جاتا ہے۔ انسان ان پر عمل کرنے سے اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے ایک ہی وقت میں عبرت اور نصیحت حاصل کرتا ہے۔ کئی لغزشوں سے محفوظ رہ جاتا ہے قرآن مجید نے بھی کئی امثال کو استعمال کیا ہے جو مدمقابل کو ساکت کر دیتی ہیں اور ایک مومن کو دلیر بنا دیتی ہیں۔ عرب ممالک میں طلباء کو فن انشاء کی مشق کرانے کے لئے جو بعض مضامین دیئے جاتے ہیں ان میں الانشاء بالامثال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ طالب علم کسی ایک ضرب المثل پر ایک وسیع مضمون پیش کرتا ہے۔ اس مستقل خصوصیت کے لئے مشہور، مفصل اور ضخیم کتاب "الامثال للمیدانی" کا ذکر کافی ہے۔

مشہور شاعر متنبی نے اپنے اشعار میں امثال لا کر اپنے دیوان کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ چنانچہ ان امثال کو یکجا کر کے ایک کتاب الامثال للمتنبی تحریر کی گئی ہے۔

عربی کی چند امثال کو جس نے ملاحظہ کرنا ہو وہ منجد ڈکشنری کے ساتھ بطور ضمیمہ کے "فرائد الادب" کے عنوان سے مطالعہ کر سکتا ہے۔

۱۶- مختلف آوازوں کی ادائیگی عربی زبان میں ہر آواز کے لئے خاص اصطلاح ہے۔ تمام جانوروں، حیوانوں، کیڑوں مکوڑوں، پرندوں اور انسانوں

کی حرکتوں کی مختلف آوازیں۔ پانی کے چلنے درختوں کی حرکت وغیرہ سب کے لئے الگ الگ نام ہیں۔ یہ وسعت ایک ضخیم کتاب کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ مشہور کتاب "فقہ اللغۃ للثعلبی" میں اس غرض کے لئے ایک وسیع باب موجود ہے جس کے مطالعہ سے انسان انگشت بدندان ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ **تشبیہ** | عربی زبان کی خصوصیات کے ضمن میں تشبیہات کا ذکر طبیعت میں ایک انتعاشی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ اپنے مدلول اور مقصد کو مضبوط کرنا اور اپنے مافی الضمیر کو مختصراً بیان کرنے کیلئے عربی زبان میں تشبیہات کافی اثر رکھتی ہیں۔ اشعار میں مختلف تشبیہات انتہائی اختصار سے تفاصیل کو اپنے مفہوم میں داخل کر لیتی ہیں۔ بعض اوقات ظاہر بین شخص ان تشبیہات میں مبالغہ محسوس کرتا ہے۔ مگر یہ دراصل خصوصیت در خصوصیت ہے۔ کیونکہ اس مبالغہ میں اہمیت، عظمت اور تاکید کا پہلو مدنظر ہوتا ہے۔

۱۸۔ **النحت** | دو یا دو سے زیادہ مرکب کلمات کی ادائیگی کے لئے ایک کلمہ مقرر کر لینا اور اس سے پورے معانی مراد لینا مثال کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حسبی اللہ۔ السلام علیکم۔ اب نحت کی خصوصیت اور اصول کے مطابق بالترتیب ان کو بَسْمَلَ۔ حَمْدَلَ۔ حَوْقَلَ۔ حَسْبَلَ۔ سَمْعَلَ کہا جاتا ہے۔ اس سے مقصود دراصل اختصار اور ادبی جمال و ذوق ہے۔

۱۹۔ **معانی۔ بیان۔ بدیع** | عربی زبان کی معنوی خصوصیات میں سے وہ عظیم الشان بلاغت ہے جو انسانی جذبات و احساسات سے اپیل کرتی ہے۔ فن لغت کی تحقیق و تدقیق کے بعد علماء نے عربی زبان کی معنوی بلاغت کی تحقیق میں کئی علوم کا استنباط کیا جن میں سے معانی، بدیع اور بیان ہیں۔ ان تینوں علوم کا تعلق براہ راست بلاغت سے ہے۔ فنِ انشاء (جس کا تعلق دراصل اظہارِ خیالات سے ہے) میں ان علوم ثلاثہ کے بغیر صحیح مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ لفظی اور معنوی جمال جس کے لئے متعدد اصطلاحات ہیں وہ تمام کی تمام ان تینوں علوم میں پائی جاتی ہیں۔ جس کا مجموعی نام ایک خاص اصطلاح میں فن بلاغت ہے۔ اس مستقل علم کی تفصیل آسان اسلوب میں اور مختصراً معلوم کرنے کے لئے دیکھو کتاب "البلاغۃ الواضحۃ" تالیف علی الجارم و مصطفےٰ امین۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں فن بلاغت کی نمایاں جھلک موجود ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ہی کئی اصطلاحات کو مثالاً بیان کرنے کے لئے آیاتِ قرآنیہ کو پیش کیا گیا ہے۔

۲۰۔ **فصاحت، بلاغت اسلوبِ بیان** | عربی زبان خیالات کی ادائیگی اور انشائی اسلوب میں انتہائی

جمال اور لچکدار پہلو پر مشتمل ہے۔ اس میں قافیہ، سجع، طویل فقرات، چھوٹے فقرات، چست عبارتوں کی بندش، ذوق سلیم، الفاظ کا مناسب چناؤ موجود ہے جس وقت سرزمین سپین میں عربی زبان پہنچی تو اس کے عیسائی باشندوں کو عربی زبان میں ایسی عظیم الشان جاذبیت اور کشش نظر آئی کہ وہاں ایسے بڑے بڑے ادباء اور فن لغت کے ائمہ و علماء پیدا ہو گئے جن کے کلام اور کتب کو بطور معیار اور حجت کے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اپنی ذات میں ایک الگ تاریخی اور ادبی موضوع ہے۔ مگر بطور مثال کے ایک امر پیش کرتا ہوں۔

قرطبہ کے ایک پادری نے اپنے بعض زملاء اور معاصرین کو شکایت کے رنگ میں تحریر کیا:۔

"ان اللغة العربية قد فتنتنا بعذوبة الفاظها و بلاغة انشائها حتى لا نكاد نجد فينا من يقرأ الكتب المقدسة باللغة اللاتينية، وشباننا الاذكياء جميعاً لا يعرفون غير لغة العرب وآدابهم، وكلما قرأوا كتبها و درسوا آدابها ازدادوا اعجاباً بها، فاذا حدثتهم عن كتاب من الكتب اللاتينية سخروا منه، و قالوا إن الفائدة لا تساوى التعب فى قرأته، وهكذا نسى المسيحيون لغتهم وجهلوا كتابتها وبلاغتها وحذقوا اللسان العربى، حتى ليكتبونه نثراً ونظماً باسلوب انيق يفوقون فيه العرب احياناً۔"

(اللغة العربية فى ماضيها وحاضرها ومستقبلها)

عربی زبان کے شیریں کلمات اور اس کی انشائی بلاغت نے ہمیں فریفتہ کر لیا ہے۔ لاتینی زبان کی طرف سے عام بے رغبتی ہو رہی ہے۔ ہمارے ذہین نوجوان سوائے عربی زبان اور اس کے عام آداب کے کچھ بھی نہیں جانتے جونہی وہ ان کتب کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ انہیں اس سے زیادہ شغف ہوتا ہے۔ عیسائی عوام اپنی زبان کو بھول گئے ہیں انہوں نے عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ یہ عیسائی نثر اور نظم میں انتہائی عمدہ اسلوب میں لکھتے ہیں۔ بعض اوقات وہ عرب ادباء سے بھی فوقیت حاصل کر لیتے ہیں۔"

حرف آخر

یہ مضمون انتہائی عمیق اور وسیع ہے ہر خصوصیت ایک کتاب کی متقضی ہے۔ لیکن اس جگہ یہ مختصر مضمون تشنۂ تکمیل رہے گا اگر

فقرہ تحریر نہ کیا جائے کہ چونکہ نزولِ قرآن عربی زبان میں ہوا اسلئے عربی زبان کے رواج اور اشاعت اور علمی و لغوی بحوث میں اساسی دخل قرآن کریم کا ہے۔ یہ اپنی ذات میں ایک الگ مضمون ہے کہ عربی زبان کا احیاء اور قیام صرف اور صرف قرآن کریم کے ذریعہ سے ہے۔ چنانچہ فصاحت، بلاغت، معانی، بدیع اور بیان صرف قرآن کریم کی خدمت کے لئے وضع کئے گئے۔ مشہور مسیحی عالم لغت سلیمان بستانی "الیاذہ ہومیروس" کی شرح میں لکھتا ہے:۔

"فانّ القرآن کان ولا یزال
رائد الکتّاب یرجعون الیہ
فی مواضع الاشکال و یتمثّلون
بعبارتہ و یتفقّھون ببلاغتہ
فکان من معجزۃ حفظ اللغۃ
العربیۃ الفصحیٰ علیٰ اسلوبٍ واحدٍ
منذ ثلاثۃ عشر قرناً مع تفرق
حفظتھم تشتّت المتکلمین
بھا" (صٓ۱۱)

قرآن کریم ہمیشہ سے ہی انشاء پردازوں کیلئے رہنما رہا ہے وہ مشکل مقامات کے حل کیلئے اسکی طرف رجوع کرتے رہے ہیں اس کی عبارت و بلاغت کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں فصیح عربی زبان اسکے نگرانوں اور اسکے بولنے والوں کے متفرق ہو جانے کے باوجود تیرہ سو سال سے ایک ہی طریق پر قائم ہے اور اس طرح عربی زبان کی محفوظیت ایک معجزہ کا رنگ رکھتی ہے"۔

ایک روایت

(از حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔ اے ناظر تعلیم ربوہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان کے پاس سے گزر رہا تھا میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جناب مولوی محمد احسن صاحبؓ امروہی آ رہے ہیں اور حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ مرحوم کے حجرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ حضرت میر صاحبؓ موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے مہتمم تھے اور وہی پروف پڑھا کرتے تھے۔ میں پہلے تو اس خیال سے جھجکا کہ شاید کوئی پرائیویٹ بات نہ ہو۔ مگر پھر آہستہ آہستہ جا کر پیچھے بیٹھ گیا۔ حجرہ میں حضرت میر مہدی حسین صاحب بھی موجود تھے۔

میرے وہاں موجود ہونے پر کسی نے اعتراض نہ کیا میں نے وہاں سنا کہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ حضور! مرزا سلطان محمد والی پیشگوئی کا کیا ہوگا؟ میں نے سنا کہ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مولوی صاحب! وہ پیشگوئی ٹل گئی ہے۔

خاکسار
محمد دین
ناظر تعلیم ۵۹/۹/۲۷

"ترجمان القرآن" کی غلط ترجمانی

ترجمان القرآن کی فاش تفسیری غلطی

(از مکرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فاضل منگلا)

(۱)

ماہنامہ ترجمان القرآن جو مولانا مودودی صاحب کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے اس کے ماہ اگست ۵۹ء کے پرچہ میں سورۃ النمل کی تفسیر شائع ہوئی۔ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر کے دوران ان اہلِ علم مفسرین پر کافی جرح قدح کی ہے جنہوں نے ہُدہُد سلیمانی کو ایک انسان قرار دیا ہے۔ مودودی صاحب نے ہدہد کو پرندہ ثابت کرنے کے لئے آیاتِ قرآنیہ سے بزعم خود استدلال بھی کیا ہے۔ مفسر صاحب نے خصوصاً قرآنی مقولہ سلیمانی "اَلْقِهْ اِلَيْهِمْ" اور مقولہ بلقیس "اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيْمٌ" کے الفاظ کو بار بار اس دعویٰ پر بطور دلیل پیش کیا ہے کہ ہُدہُد جو پیغامبر تھا ایک پرندہ تھا اور مفسر صاحب نے ہُدہُد کو انسان قرار دینے والوں پر کافی طنز کی ہے۔ مولانا مفسر کی علمی رائے میں لفظ اِلْقَآءٌ جو باب اِفعال کا مصدر ہے پھینکنے کے معنوں میں ہی آتا ہے۔ یعنی ایک مادی چیز کو اُوپر سے نیچے دے مارنا۔ لہذا مفسر صاحب لفظ اِلقاء کو اسی معنی میں اپنے ذہن میں حصر کر کے اعتراض کرتے ہیں کہ پرندہ کے بغیر اِلقاء یعنی پھینکنے کی نسبت انسان یا سفیر کی طرف نہیں ہو سکتی۔ ترجمان القرآن ماہ اگست ۵۹ء صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں:-

"کچھ دُور آگے چل کر ابھی آپ دیکھیں گے کہ حضرت سلیمان اسی ہُدہُد کو ملکہ سبا کے نام خط دیکر بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے ان کی طرف ڈال دے یا پھینک دے (القه اليهم) ظاہر ہے کہ یہ ہدایت پرندے کو تو دی جا سکتی ہے لیکن کسی آدمی کو سفیر، ایلچی یا قاصد بنا کر بھیجنے کی صورت میں یہ انتہائی غیر موزوں ہے کسی کی عقل ہی خبط ہو گئی ہو تو وہ مان لے گا کہ ایک ملک کا بادشاہ دوسرے ملک کی ملکہ کے نام خط دے کر اپنے سفیر کو اس ہدایت کے ساتھ بھیج سکتا ہے کہ اسے لے جا کر اس کے آگے ڈال دے یا اس کی طرف پھینک دے۔ کیا تہذیب و شائستگی کے اس ابتدائی مرتبے سے بھی

حضرت سلیمان کو گرا ہوا فرض کر لیا جائے۔
جس کا لحاظ ہم جیسے معمولی لوگ بھی اپنے
کسی ہمسائے کے پاس اپنے ملازم کو بھیجتے
ہوئے ملحوظ رکھتے ہیں؟ کیا کوئی شریف
آدمی اپنے ملازم سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا
یہ خط فلاں صاحب کے آگے پھینک آ۔"

(۲)

میرے خیال میں معترض صاحب اگر لفظ القاء کے قرآنی استعمالات پر نظر ڈالتے تو اچھا تھا لیکن تعصب کا ستیاناس ہو وہ ہوشمندانِ جہان کو کچھ دیوانہ سا بنا دیا کرتا ہے۔ نیز اگر مودودی صاحب لغت عرب سے اس لفظ کی تحقیق کر لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ صرف ایک لفظ کا ایک معنیٰ اپنے ذہن میں معین کر لینا اور اس کی بنا پر اعتراضات کی دیوار بنانا انصاف سے بعید ہے۔ گویا مولانا نے یوں نتیجہ نکالا :- (۱) القاء کا معنی صرف پھینک دینا۔ (۲) پھینکنے کی نسبت پرندے کے بغیر ناجائز ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ القاء کی نسبت پرندہ کے بغیر جائز نہیں۔ حالانکہ صغریٰ بھی غلط ہے کبریٰ بھی غلط ہے۔

معترض صاحب مندرجہ ذیل قرآنی آیات پر غور کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ القاء کی نسبت انسانوں کی طرف بھی ہوتی ہے، فرشتوں کی طرف بھی ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے سفیر ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی طرف بھی ہوتی ہے۔ مومنوں کی طرف بھی ہوتی ہے۔ کافروں کی طرف بھی ہوتی ہے۔ اور القاء کا معنیٰ پھینکنا بھی ہوتا ہے۔ پہنچانا بھی ہوتا ہے۔ پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔

اور خصوصاً جب القاء کا مفعول قول ہو یا سلام ہو یا پیغام ہو یا خطبہ ہو تو ایسے مواقع پر القاء سے مراد سلام پہنچانا، پیغام پہنچانا یا دوسروں کے سامنے اپنی بات پیش کرنے یا دوسروں کے سامنے اپنا خطبہ پیش کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی ہر وہ چیز جو از قبیل کلام ہو خواہ لفظی کلام ہو یا مکتوبی اور تحریری کلام جیسے سلام پیغام وغیرہ، جب اس کے متعلق القاء کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد پھینک دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ لغت اور قرآنی استعمال کی رو سے اس کا معنیٰ پیش کرنا یا پہنچانا ہوتا ہے۔ قرآن شریف کی چند آیات ملاحظہ ہوں :-

(۱) انّا سنُلقی علیك قولاً ثقیلاً۔
ہم تجھ پر ایک ذمہ دارانہ کلام نازل کریں گے۔

(۲) القیتُ علیك محبّۃً منّی۔
تیرے لئے اپنی طرف سے محبت پیدا کی۔

(۳) القَینا بینھم العداوۃ والبغضاء۔
ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض پیدا کر دیا۔

(۴) القیٰ فی الارض رواسیَ۔
اللہ تعالےٰ نے زمین میں پہاڑوں کو پیدا کیا۔

خصوصاً جہاں القاء کا صلہ الیٰ ہو تو اسکے معنی پیش کرنا یا پہنچانا ہوتا ہے جیسے :-

(۵) فَالْقَوْا الیھم القول (النحل)
کفار ان تک اپنا قول پہنچائیں گے۔

(۶) والْقَوْا الی اللہ یومئذٍ السَّلَمَ (النحل)

وہ خدا تعالیٰ کی طرف اس وقت صلح کا پیغام پہنچائیں گے۔

(۷) تُلْقُوْنَ اِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ (ممتحنہ)
تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔

(۸) يُلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتَابُ (القصص)
تجھ پر کتاب اُتاری جائے گی۔

(۹) يُلْقٰى اِلَيْهِ كَنْزٌ (الفرقان)
اس رسول کو خزانہ دیا جاتا۔

آیت ۷ میں خدا تعالیٰ مومنوں کو فرماتے ہیں کہ تم دوسروں کی طرف پیغامِ محبت پہنچاتے ہو۔ آیت کے شانِ نزول کو مدنظر رکھا جائے تو یہ اس پیغام رسانی پر توبیخ ہے جو غلطی سے ایک صحابی نے ایک انسان کے ذریعہ خط بھیج کر کی تھی۔

علاوہ ازیں اگر مفسر صاحب عربی رسائل و جرائد کا مطالعہ ہی کر لیتے تو انہیں کثرت سے یہ استعمال مل جاتا کہ فُلَانٌ اَلْقٰى خُطْبَتَهٗ۔ فُلَانٌ اَلْقٰى كَلِمَتَهٗ۔ کہ فلاں صاحب نے خطبہ پیش کیا یا فلاں صاحب نے تقریر کی۔ اور اگر لغت کی درسی کتاب المنجد ہی ملاحظہ فرماتے تو اِلقاء کا استعمال انہیں سمجھ آجاتا۔ صاحب المنجد لفظ اِلقاء کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

اَلْقٰى اِلَيْهِ الْقَوْلَ وَبِالْقَوْلِ: اَبْلَغَهٗ اِيَّاهُ۔ یعنی فلاں نے قول کو پہنچایا۔
— عَلَيْهِ الْقَوْلَ: اَمْلَاهُ۔ یعنی اسے لکھایا۔ وَ اَبْلَغَهٗ اِيَّاهُ اور اسے پہنچایا۔

(۳)

مولانا مودودی صاحب نے اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيْمٌ سے بلقیس کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ اس نے کہا مجھے غیر معمولی ذریعہ سے پیغام پہنچایا گیا ہے۔ مولانا صاحب کا یہ استنباط بھی درست نہیں۔ اگر یہاں اِلقاء کا فاعل غیر معمولی ہوتا تو ملکۂ سبا اسے صیغۂ مجہول سے ادا نہ کرتی بلکہ صیغۂ معروف استعمال کرتی اور فاعل کو ظاہر کیا جاتا۔ کیونکہ علم فصاحت و بلاغت اور معانی کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ فاعل کو ذکر کرنے کے کیا کیا نکات ہوتے ہیں۔ اگر فاعل مہتم بالشان ہو تو اسے ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تو اس مقام پر اگر اِلقاء کا فاعل غیر معمولی تھا تو ملکۂ سبا کو ماضی معروف استعمال کرنا چاہیئے تھا اور فاعل کو ذکر کرنا چاہیئے تھا۔

اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اسے اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيْمٌ بصیغۂ مجہول استعمال نہ فرماتا۔ حکیم مطلق کا کلام بلا حکمت نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے اُلْقِيَ کو بصیغۂ مجہول استعمال فرما کر ہمیں سمجھا دیا کہ پیغام کی طرف توجہ کرو، پیغام لانے والے کی طرف توجہ نہ کرو۔ کیونکہ پیغام رسانی معمولی اور مروّج طریق پر تھی جسے ہر شخص جانتا ہے۔ لہٰذا اس کی تصریح کی حاجت نہیں۔

علاوہ ازیں مقولۂ سلیمانی پر غور کریں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

اِذْهَبْ بِّكِتَابِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ۔

یہاں "اِلَيْهِمْ" جمع کا لفظ ہے کہ اُن کی طرف پھینکا۔ اگر بقول مولانا ہُدہُد نے صرف ملکۂ سبا کے سر پر وہ لفافہ پھینک دیا تھا تو اِلَيْهِمْ جمع کے ساتھ استعمال کیوں ہوا؟ یہ تو ایک قسم کی نافرمانی ہوئی کیونکہ سلیمان علیہ السلام کا حکم تھا کہ یہ خط اہلِ سبا کے تمام باشندوں پر پھینک ڈال اور اس نے محض ملکہ کے سر پر پھینک دیا۔ کیونکہ ملکہ کہتی ہے کہ اُلْقِيَ اِلَيَّ کہ میری طرف اِلقاء کیا گیا ہے۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے ایک سفیر مملکت دوسرے ملک کے صدر یا بادشاہ کو جب پیغام پہنچاتا ہے تو وہ پیغام دراصل اس حکومت کے تمام عوام کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی ایک جگہ جمع کا لفظ استعمال ہوا اور دوسری جگہ واحد کا۔

مولانا صاحب یہ بھی غور فرمائیں کہ اگر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسانوں میں حضرت جعفر طیار انسان ہو سکتے ہیں تو حضرت سلیمان کا ہُدہُد کیوں انسان نہیں ہو سکتا؟

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؛

البیان (بقیہ صث)

جب اس مقدس انسان پر حقیقت کھل گئی تو وہ پکار اُٹھا اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ واقعی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔

تیسرا واقعہ ۔ حضرت ابراہیمؑ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری روحانی نسل بھی بے شمار ہوگی مگر نظر یہ آتا تھا کہ کفار انکی باتوں کے شنوا نہ ہوتے تھے۔ تب حضرت ابراہیمؑ کو ان روحانی مُردوں کے زندہ کئے جانے کی کیفیت اور اسکے ذرائع کے بارے میں تردد ہوا اور اُنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کر دیا کہ آپ خود مجھے وہ طریق بتائیں جس سے یہ مُردہ لوگ زندہ ہوں مجھے تو کوئی طریق نہیں سوجھ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا آپ ایمان نہیں رکھتے کہ ایسا ہو گا؟ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ ایمان تو ضرور ہے مگر دل کے اطمینان کیلئے کوئی ظاہری سامان بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اس اشکال کے حل کیلئے اور برگشتہ افراد کو متوجہ کرنے کا طریق بتانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کو یہ حکم دیا گیا کہ چار پرندوں کو سدھائیں اور اپنے ساتھ پیار سے مانوس کر لیں پھر دیکھیں کہ وہ پہاڑ پر جانے کے باوجود اور پوری آزادی حاصل کرنے کے باوجود آپ کی آواز پر کس طرح جلدی سے آ جاتے ہیں۔ پس ان بدکے ہوئے کفار کو تبلیغ میں یہی رنگ اختیار فرمائیں تا یہ مُردہ لوگ زندہ ہوں اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چار پرندوں سے مراد چاروں جہت کے روحانی طیور ہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نسلِ ابراہیمؑ کے لئے چار مرتبہ روحانی احیاء مقدر ہے ؛

شربت فولاد

جگر کے تمام امراض۔ کمیٔ خون، زردیٔ چہرہ و ضعف ہر قسم کے لئے مفید ترین، لذیذ اور خوش ذائقہ شربت۔ معدہ اور جگر کی تمام کمزوریوں کو دُور کر کے خون صالح پیدا کرتا ہے۔ ہفتہ عشرہ استعمال سے جسم میں توانائی اور چہرہ میں سُرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ بواسیر خونی، کثرت حیض اور جسم سے جریانِ خون کے بعد کی کمزوری کے لئے بہت مفید ہے۔

اِس کا عام استعمال یومیہ کارکردگی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کمزوری کو دُور کرتا ہے۔

بچوں کو اگر شروع سے ہی اِس کا استعمال کروایا جائے تو ان کی جسمانی نشو و نما بہت عمدہ ہوتی ہے۔

غرضیکہ بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور جسمانی و دماغی محنت کرنے والے لوگوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔

ترکیب استعمال

- بڑوں کے لئے ایک چمچہ چار نصف گھنٹہ بعد غذا۔
- چار سال سے بارہ سال کی عمر تک کے لئے نصف چمچہ۔
- چار سال سے کم کے لئے ۱/۴ چمچہ۔

قیمت فی شیشی عگ علاوہ اخراجات ڈاک و پیکنگ ؛

تیار کردہ

خورشید یونانی دواخانہ گولبازار ربوہ

نور کاجل

- آنکھوں کو بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔
- بیمار آنکھوں کا علاج ہے۔
- گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔
- آنکھوں کو گرد و غبار سے صاف کرتا ہے۔
- آنکھوں میں خوبصورتی اور چمک پیدا کر کے چہرہ کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔
- خارش، پانی بہنا، بھمنی اور ناخونہ کا بہترین علاج ہے۔

بیسیوں جڑی بوٹیوں کے جوہر سے تیار کیا گیا ہے

اور

پچاس سالہ استعمال و تجربہ کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔

لہٰذا اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی آنکھوں کو خوبصورت رکھنے کے لئے ہمیشہ

نور کاجل

استعمال کیجئے!

بوقتِ ضرورت ایک ایک سلائی آنکھوں میں ڈالیں۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنے

تیار کردہ

خورشید یونانی دواخانہ گولبازار ربوہ

الفردوس کلاتھ مرچنٹ

انارکلی لاہور

سے

ہر قسم کا سوتی، ریشمی اور اونی کپڑا خریدیں۔

پہلے سے زیادہ آپ کے تعاون کی

ضرورت ہے

تشریف لائیے ــــــــ تجربہ شرط ہے !

الفردوس کلاتھ مرچنٹ انارکلی لاہور